www.KitaboSunnat.com

مقدمہ سود

حافظ عبدالرحمن مدنی

سپریم کورٹ کے مقدمہ سود میں مدیر اعلیٰ کا تحریری بیان

سپریم کورٹ آف پاکستان (شریعت اپلیٹ بنچ)

اپیل برخلاف فیصلہ مسئلہ سود از وفاقی شرعی عدالت پاکستان مؤرخہ ۱۴؍ نومبر ۱۹۹۱ء

درخواست ڈاکٹر محمود الرحمن فیصل وغیرہ بنام سیکرٹری وزارت قانون، انصاف اور پارلیمانی اُمور حکومت پاکستان وغیرہ: ۱۸ مسئول الیہان

[redacted]

تمہید...... بحث کا طریقہ کار

"سود" فارسی زبان کا لفظ ہے جو اُردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ عربی زبان میں اسے "ربا" کہتے ہیں اور انگریزی میں اس کے لیے **Usury, Interest** اور جدید اصطلاح **Mark-up** وغیرہ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں جن کے معانی یوں تو معروف ہیں لیکن تحقیق میں اس لئے باریک بینی سے کام لیا جاتا ہے کہ سود کے تمام پہلو اور متعلقات واضح ہو سکیں، تاکہ ان پر مناسب شرعی اَحکام کا انطباق کیا جاسکے۔ تفصیل میں جانے سے پہلے میں اپنی بحث کا طریقہ کار متعین کرنا چاہتا ہوں جو یہ ہے:

چونکہ وفاقی شرعی عدالت اور شریعت اپلیٹ بنچ (سپریم کورٹ) آئین میں دیئے گئے اختیارات ہی استعمال کرتے ہیں، اس لیے سب سے پہلے آئین کی دفعات 2 اور 2A کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں:

(2) Islam to be State Religion. Islam shall be the State religion of Pakistan.

(2a) The Objectives resolution to form part of substantive provision. The principles and provisions set out the objectives resolution reproduced in the Annex are here by made substantive part of the Constitution and shall have effect accordingly.[1]

آئین کی دفعہ 2A میں قراردادِ مقاصد کو دستور کا مستقل اور مؤثر حصہ قرار دیا گیا ہے...... اس کا تمہیدی فقرہ یوں ہے:

Where as sovereignty over the entire universe belongs to Allah Almighty alone

(۱) ترجمہ: "(۲) اسلام پاکستان کا مملکتی مذہب ہوگا...... (۲/الف) ضمیمہ میں نقل کردہ قراردادِ مقاصد میں بیان کردہ اصول اور احکام کو بذریعہ ہذا دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے اور وہ بحسبہ مؤثر ہوں گے۔"

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

and the authority which He has delegated to the state of Pakistan, throught's people for being exercised with limits prescribed by him is a sacred trust; (2)

تمہید ہی میں **With limits prescribed by him** کے الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ ریاست کے تمام ادارے بشمول عدلیہ اپنے مفوضہ اختیارات جو ان کے پاس مقدس امانت ہیں، اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حدود کے ساتھ ہی استعمال کریں۔ اللہ کا انسانوں کے لیے بیان وحی کے ذریعے ہی ہوتا ہے اور اس وقت ہمارے پاس محفوظ وحی 'کتاب و سنت' کی شکل میں ہے گویا ان الفاظ نے قرآن و سنت کو آئین پاکستان کا اہم حصہ بنادیا ہے۔ اسی طرح قرار دادِ مقاصد کا چوتھا فقرہ یوں ہے:

Wherein the principles of democracy, freedom, equality, tolerance, and social justice are enunciated by Islam shall be fully observed;

"جس کی رو سے جمہوریت، حریت، مساوات، رواداری اور عدلِ عمرانی کے اُصولوں کو اسلام کی بیان کردہ تشریح کے مطابق پورے طور پر ملحوظ رکھا جائے گا۔"

اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ دورِ حاضر کے تمام اُصولی مسلمات اور نعرے جن کا خلاصہ اس فقرے میں موجود ہے، آئینی طور پر ان کی وہی تشریح معتبر ہوگی جو اسلام کے مطابق ہو۔ علامہ اقبالؒ نے اپنی کلام میں اس نکتہ کا تذکرہ یوں کیا ہے: ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمیؐ

آئین پاکستان کی مذکورہ بالا دفعات اور ضمنی فقروں کا حاصل یہ ہے کہ مسئلہ سود پر گفتگو کرتے ہوئے اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینا مقصود ہو یا اسلامی عدل وانصاف کے اصولوں کی وضاحت کرنا، اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حدود کی روشنی میں ہی ہونا چاہیے۔ مذکورہ آئینی دفعات کے ذریعے کتاب وسنت کی آئین میں حیثیت کی وضاحت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ ہم سود کے اس کیس کے سلسلے میں سپریم کورٹ کی طرف سے جاری کیے گئے سوال نامے کی شق ۴ کے بارے میں بعض متجددین کے مغالطوں کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ ان شاء اللہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ سے متعلق اپنے منتخب نکات پر تبصرہ کے بعد ہم ان سوالوں کا جواب بھی دیں گے جس میں ہماری موجودہ آئینی تشریح کی بڑی اہمیت ہے۔

---

(۲) ترجمہ: "چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کل کائنات کا بلاشرکتِ غیرے حکم مطلق ہے اور پاکستان کے جمہور کو جو اختیار واقتدار اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر استعمال کرنے کا حق ہوگا، وہ ایک مقدس اَمانت ہے۔"

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِجتہاد اور دورِ حاضر کے مسائل

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا دین و شریعت نبی ﷺ کے ذریعے مکمل کر دیا تھا جو قرآن و سنت کی صورت میں محفوظ ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی شریعت عالم گیر اور رہتی دنیا تک پیش آنے والے واقعات اور حالات کا اِحاطہ بھی کرتی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کتاب و سنت میں وہ طریقہ کار بیان کر دیا گیا ہو جو نت نئے حالات اور تمدنی اِرتقا کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل ہو...... اسے فقہی اصطلاح میں اِجتہاد کہتے ہیں۔

اجتہاد کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے۔ اسی لیے فقہاءِ اسلام نے اجتہاد کے اصول و ضوابط کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے، تاکہ اجتہاد کا دائرۂ کار متعین ہو جانے کے ساتھ ساتھ فقہی ارتقاء کو بھی تجدد والحاد سے بچایا جاسکے۔ اسلام کی حقیقی وسعتوں کا ضامن یہی اِجتہاد ہے۔

اجتہاد کے لغوی معنی انتہائی محنت کے ہیں اور اس لفظ سے اردو میں جُہد اور جِہاد کے الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جدوجہد کے معنی 'تگ ودو' اور جہاد کے معنی اسلام کے مخالفین کے بالمقابل 'غلبہ دین کے لیے انتہائی کوشش' کے ہوتے ہیں۔

اِجتہاد کی تعریف اور اس کا دائرہ کار یوں بیان کیا گیا ہے :

الإجتهاد لغة بذل المجهود واستفراغ الوسع فى فعل من الأفعال، ولا يستعمل إلا فيما فيه كُلفة وجُهد، فيقال: أجتهد فى حَمل الحَجَر ولا يقال: أجتهد فى حمل خَردلة. وأهل الشرع يستعملونه بمعنى بذل الجُهد في استنباط الحكم الشرعى مما اعتبره الشارع دليلا وهو كتاب الله وسنة رسوله، وهذا يشمل الوجوه الآتية :

(أولاً) أخذ الحكم من ظواهر النصوص إذا كان محل الحكم ممّا تتناوله تلك النصوص وذلك بعد النظر فى عامها وخاصها، ومطلقها ومقيدها، وناسخها ومنسوخها وما إلى ذلك مما يتوقف عليه الاستنتاج من الألفاظ.

(ثانياً) أخذ الحكم من معقول النص: بأن كان للحكم علة مصرّح بها أو مستنبطة ومحل الحادثة مشتمل على تلك العلّة والنص ــ وذلك طريق القياس

(ثالثًا) أن تنزل الوقائع على القواعد العامة المأخوذة من الأدلّة المتفرقة فى القرآن والسنة، وهذا ما يقع تحت إسم الاستحسان والمصالح المرسلة وسدّ الذرائع وما إلى ذلك. (تاريخ الفقه الاسلامي از محمد علی السائس ص ۳۱)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"اِجتہاد لغوی طور پر کسی کام میں انتہائی محنت اور قوت کے استعمال کو کہتے ہیں اور اس کا استعمال صرف اس موقع پر ہوتا ہے جب کہ بھرپور محنت ومشقت کی جائے، اس لئے یہ تو کہا جاتا ہے: میں نے پتھر اُٹھانے کے لیے بھرپور کوشش کی، لیکن یہ نہیں کہا جاتا کہ میں نے رائی کا دانہ اٹھانے کے لیے بھرپور کوشش کی۔ اہل شریعت لفظ اِجتہاد کا استعمال کتاب وسنت کے دلائل سے شرعی اَحکام کا اِستنباط کرنے' کے معنوں میں کرتے ہیں جو مندرجہ ذیل صورتوں پر مشتمل ہوتا ہے:

(ا) نصوص کے ظاہری الفاظ سے اَحکام کو اخذ کرنا جبکہ محل حکم ایسی چیزوں سے ہو جن کو یہ نصوص شامل ہوں۔ اخذِ احکام کا یہ کام نصوص کے عموم وخصوص، مطلق ومقید، ناسخ ومنسوخ وغیرہ پر غور وفکر کے ذریعے سے کیا جاتا ہے جن پر الفاظِ نصوص سے استنباط واستخراجِ مسائل موقوف ہوتے ہیں۔

(ب) شرعی احکام نصوص پر غور کرکے حاصل کیے جائیں۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ شرعی حکم کے اندر جو علت ہے، جس کی صراحت یا تو نص کے اندر ہی ہوتی ہے یا استنباط کے ذریعے معلوم کی گئی ہے، کسی امر حادث پر اسی حکم کا اطلاق کردیا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی وہ علت موجود ہوتی ہے...... فقہ میں یہی قیاس کا طریقہ ہے۔

(ج) پیش آمدہ واقعات کو شریعت کے ان عمومی قواعد پر پرکھا جاتا ہے جو قرآن وسنت کی متفرق دلیلوں سے ماخوذ ہوتے ہیں۔ اجتہاد کے یہ طریقے استحسان، مصالح مرسلہ، سدِ ذرائع وغیرہ کے نام سے معروف ہیں۔"

اِجتہاد کی اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ اجتہاد شریعت کی وسعتوں کو جاننے ہی کا نام ہے، نہ کہ شریعت سے مادر پدر آزادی۔ جیسا کہ آج کل عام طور پر جب کبھی شریعت سے خلاصی حاصل کرنی ہو تو کہہ دیا جاتا ہے کہ اجتہاد کرلیا جائے۔ فنی انداز میں اس بات کو یوں بھی بیان کیا جاتا ہے کہ پیش آمدہ مسئلہ میں سب سے پہلے صورتِ واقعہ کی پہچان بڑی ضروری ہے۔ اسے فقہی اصطلاح میں فقه الواقع کہتے ہیں۔ بعد ازاں واقعہ کے پیش نظر اسلامی تعلیمات کی تلاش اور ان کا صحیح مفہوم معلوم کرنے کو فقه الأحکام کہتے ہیں۔ فقہ الاحکام کو فقہ الواقع پر لاگو کرنا ہی اجتہاد کہلاتا ہے۔ چنانچہ سود کے مذکورہ مقدمہ میں ہمیں اس علمی طریقہ کار کی پابندی کرنا ہوگی۔

شریعت اور فقہ میں فرق ہے: چونکہ فقہ اجتہاد کا ہی حاصل ہوتی ہے اس لیے فقہاء شریعت وفقہ میں یہ امتیاز بھی کرتے ہیں کہ شریعتِ محمدی میں وحی الٰہی ہونے کے ناطے اختلاف نہیں ہوسکتا جب کہ اجتہاد کے نتیجے میں حاصل ہونے والی فقہ علمائے اسلام کی ذہنی کد وکاوش ہونے کی بنا پر باہم

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مختلف ہو سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعتِ محمدیؐ تو ایک ہے اور فقہ میں اختلاف ہونے کی بنا پر فقہ جعفری، فقہ حنفی، فقہ مالکی، فقہ شافعی، فقہ حنبلی، فقہ زیدی اور فقہ ظاہری وغیرہ میں تقسیم ہے [۳]
(الاجتهاد في الفقه الاسلامي ...... ضوابطه ومستقبله ص۱۹ تا ۲۴ از عبدالسلام سلیمانی)

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کے تنقیح طلب نکات

اس بحث سے پہلے میں نے تفصیل سے وفاقی شرعی عدالت کا مذکورہ فیصلہ پڑھا ہے اور سپریم کورٹ کا سوال نامہ بھی سامنے رکھا ہے۔ اس کی روشنی میں مذکورہ فیصلہ کے ۱۲/ مقامات پر میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ اگرچہ وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ کافی جامع ہے اور اس میں بہت سے شبہات اور اعتراضات کا جواب بھرپور دلائل سے دے دیا گیا ہے، تاہم کمال کی کوئی حد نہیں ہوتی اور کم ترك الأولون للآخرين (پہلے لوگ بعد والوں کے لیے بہت کچھ چھوڑ جاتے ہیں) کے مصداق میری نظر میں درج ذیل ۱۲/ مقامات ایسے ہیں جن میں سے بعض سے تو مجھے علمی اختلاف ہے اور بعض سے مجھے اختلاف تو نہیں لیکن ان میں مزید بہتری کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ یہ مقامات حسب ذیل ہیں :

۱۔ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کا پیرا نمبر ۴۲ ...... سود کے حوالہ سے یہ جائزہ لینا ہے کہ کیا ظلم سود کی حکمت ہے یا علت ...... کیونکہ حکمت اور علت میں فرق ہے۔

۲۔ فیصلہ کا پیرا نمبر ۸۶ جس میں حدیث "كل قرض جرّ منفعة فهو ربا" کو سود کی تعریف قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ فیصلے کا پیرا نمبر ۷۳، ۱۳۷ جن میں یہ کہا گیا ہے کہ مذکورہ 'مقدمہ سود' میں ربا الفضل کی بحث غیر متعلقہ ہے۔

۴۔ پیرا نمبر ۱۸۱ تا ۱۸۳ کے ضمن میں ربا الفضل کی علت کیا ہے؟

۵۔ فیصلے کا پیرا نمبر ۱۵۲ تا ۲۴۳ جن میں افراطِ زر، کرنسی اور اشاریہ بندی پر بھرپور تبصرہ ہے۔

۶۔ پیرا نمبر ۱۳۸ جس میں حضرت عمرؓ کے قول فدعوا الربا والرّيبة کی بحث ہے۔

۷۔ پیرا نمبر ۹۳ تا ۱۲۹ جس میں سود مرکب کے علاوہ سود مفرد وغیرہ تمام اقسام سود کی بحث ہے۔

۸۔ پیرا نمبر ۱۳۰ تا ۱۳۷ میں آیاتِ متشابہات کی بحث۔

(۳) شریعت راہِ صواب ہے جبکہ فقہ ان اجتہادی کاوشوں کا حاصل ہے جو سراسر انسان کی ذہنی کدوکاوش سے متعلق ہیں، اس لئے اس میں عیب وصواب دونوں کا پایا جانا ممکن ہے۔ اگر یہ فقہی اور اجتہادی کاوشیں شریعت کے عین موافق ہوں تو لائق اعتماد ہیں بصورتِ دیگر ان کا ترک ان کے اختیار سے اولیٰ ہے ...... اجتہاد کے درست ہونے کی ایک ہی کسوٹی ہے کہ وہ شریعت کے دائرے سے باہر نہ ہو ورنہ اجتہاد کے بجائے الحاد ہوگا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۔ پیرا نمبر ۵۰ کی شق نمبر ۳ جس میں نہضۃ العلماء کانفرنس (مشرقی جاوا، انڈونیشیا) کے حوالہ سے مصلحت اور اجماع کی بحث کی گئی ہے۔

۱۰۔ پیرا نمبر ۲۴۹ تا ۲۷۸ جن میں سود کی متبادل بعض اقسام بیع کی بحث ہے۔

۱۱۔ پیرا نمبر ۵۶ تا ۶۴ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ پر تبصرہ۔

۱۲۔ ضمیمہ نمبر ۲ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ کا تائیدی اور تنقیدی جائزہ۔

نوٹ: ربا کا لفظ قرآنِ مجید میں مختلف صیغوں (شکلوں) میں ۲۰ جگہ استعمال ہوا ہے اور ربا کے احکامات بالترتیب سورۂ روم ۳۰/۳۹، سورۂ نساء ۴/۱۶۰، ۱۶۱، سورۂ آلِ عمران ۳/۱۳۰، سورۂ بقرہ ۲/۲۷۵ تا ۲۸۰ میں نازل ہوئے۔ میں سورہ بقرہ کی آیات ۲۸۰ سے ۲۸۴ تک کا اضافہ اس لیے کر رہا ہوں کہ ان میں بیع (تجارت) مع دیانت واَمانت کا ذکر ہے جو سود کا متبادل ہے، اسی طرح میں نے سود کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل تقریباً ڈیڑھ ہزار احادیث جمع کی ہیں۔ مذکورہ بالا تمام آیات اور احادیث کو ضمیمہ خصوصی کی صورت میں ہمراہ منسلک کر رہا ہوں۔ اور سود کی حرمت سے متعلق مذکورہ قرآنی آیات اور احادیث کا ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے تاکہ پوری بحث کے دوران شریعت کے اصولوں اور حدود کے تعین کے لیے کتاب وسنت کے احکامات ملحوظ رہیں۔

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ میں نامزد ۱۲/ مقامات پر تبصرہ

اب وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے میں مذکورہ ۱۲/ مواقع اور ان پر تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

مقام نمبر ۱: <u>ظلم سود کی علت نہیں بلکہ ایک حکمت ہے!</u>

وفاقی شرعی عدالت پاکستان نے اپنے فیصلے کے پیرا نمبر ۴۲ میں سورۃ البقرہ کی آیت ۲۷۹ کے الفاظ ﴿لاَ تَظْلِمُوْنَ وَلاَ تُظْلَمُوْنَ﴾ کا بطورِ دلیل جائزہ لیا ہے۔ میں یہاں یہ اضافہ کرنا چاہتا ہوں کہ آیت مذکورہ میں سود چھوڑ کر اصل زَر لینے کا جو حکم وارد ہوا ہے، اُسی کے ذیل میں قرآن نے یہ ہدایت دی ہے کہ قرض خواہ اصل زَر سے زیادہ مانگ کر ظلم نہ کریں اور نہ ہی قرض داروں کی طرف سے قرض خواہوں پر کسی سابقہ اداشدہ سود کے حوالہ سے اصل زَر سے کم دے کر زیادتی کی جائے۔ بعض حضرات نے مذکورہ ظلم کو سود کی علت قرار دے کر سود کی جائز اور ناجائز دو قسمیں کرنے کی کوشش کی ہے جو درست نہیں ہے کیونکہ یہاں ظلم کا ذکر بطورِ حکمت ہوا ہے نہ کہ علت کے طور پر......

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علت اور حکمت میں فرق

عراق کے مشہور فقیہ اور قانون دان ڈاکٹر عبد الکریم زیدان کی تصنیف کردہ اُصولِ فقہ کی مشہور کتاب الوجیز فی اصول الفقہ (صفحہ ۲۵۱ تا ۲۷۲) کے اردو ترجمہ جامع الاُصول میں علت کی شرائط کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔ علت اور حکمت کے فرق کے بارے میں ص ۲۵۳ تا ۲۵۶ قابل مطالعہ ہیں جس کا یہ اقتباس خصوصیت سے قابل توجہ ہے۔ (اگرچہ اس کتاب میں مذکور علت کی شرطوں کی بحث بھی اپنی مثالوں کے ساتھ پیش نظر رہنی چاہیے)

"تشریع اَحکام کا مقصد لوگوں کی مصالح کو پورا کرنا ہے۔ اسی مصلحت کو حکم کی حکمت یا علامت کہتے ہیں۔ چنانچہ حکم کی حکمت یہی مصلحت ہے جو حصولِ منفعت یا دفع مضرت کی صورت میں ہوتی ہے، جس کو شارع اس حکم کی تشریع کے ساتھ وجود میں لانا چاہتا ہے۔

شرعی حکم کی بنیاد براہِ راست اس کی حکمت پر نہیں رکھی جاسکتی: تاہم یہ بات قابل لحاظ ہے کہ شریعت نے حکم کو اس کی حکمت کے ساتھ اکثر احکام میں، وجود یا عدم کے اعتبار سے، براہِ راست مربوط نہیں کیا ہے بلکہ ایک دوسری چیز کے ساتھ اس کو مربوط کیا ہے۔ جو مصلحت اس حکم سے مقصود ہے وہ اس دوسری چیز کے ساتھ مربوط کرنے سے پوری ہو جاتی ہے۔ جیسے رمضان میں کسی سبب سے روزہ نہ رکھنے کا حکم ہے۔ اس حکم کو براہِ راست اس کی حکمت یعنی دفع مشقت کے ساتھ مربوط نہیں کیا بلکہ اس کو ایک دوسری چیز کے ساتھ مربوط کیا ہے، وہ سفر ہے یا بیماری۔ اس کے ساتھ مربوط کرنے سے حکم کی اس حکمت کی غرض پوری ہو جاتی ہے۔ اس طریقہ کار کی وجہ یہ ہے کہ حکم کی حکمت کبھی پوشیدہ ہوتی ہے۔ ظاہر میں اس کے وجود کا سامنے آنا ممکن نہیں ہوتا۔ اس لیے حکم کی بنیاد براہِ راست اس کی حکمت پر نہیں رکھی جاسکتی ہے۔ اسی طرح خرید و فروخت اور ایسے ہی دوسرے معاملات جن میں طرفین سے عوض دیا جاتا ہے، کی اِباحت ہے۔ خرید و فروخت اور ایسے ہی دوسرے معاملات کی اجازت دینے میں حکمت یہ ہے کہ ان کی شرعی حاجتوں کو دور کر کے ان سے تنگی کو دور کیا جائے۔ انسان کی حاجت ایک پوشیدہ چیز ہے۔ اس لیے شارع نے اس حکم کو ایک دوسری ظاہری چیز کے ساتھ مربوط کر دیا ہے، جس سے یہ غالب گمان ہوتا ہے کہ وہاں انسان کی حاجت موجود ہے۔ یہ ظاہری چیز ایجاب و قبول ہے۔

اور کبھی حکمت غیر منضبط ہوتی ہے، یعنی لوگوں کے اختلاف و تبدیلی، اور ان کے اندازوں میں تبدیلی سے اس میں تبدیلی آجاتی ہے، اس لیے حکم کی بنیاد اس پر نہیں رکھی جاسکتی، کیونکہ یہ چیز اَحکام میں انتشار کی طرف لے جائے گی۔ اس صورت میں تکلیف یعنی مکلف ہونے کا حکم ایک چیز پر قائم نہیں رہ سکتا، اور نہ اس میں عمومیت آسکتی، اور نہ اس کو باقاعدہ بنایا جاسکتا ہے۔ اور احکام

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سے راہِ فرار اختیار کرنے کے بہت سے دعوے ہو سکتے ہیں...... مثال کے طور پر رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت کی مذکورہ مثال کو ہی لیجیے۔ اس کی حکمت مشقت کو دور کرنا ہے۔ یہ ایک اندازہ سے مقرر کی جانے والی چیز ہے، اور اس کا کوئی باقاعدہ متعین ضابطہ نہیں ہے۔ اس لیے شارع نے اس حکم کو ایک ایسی چیز کے ساتھ مربوط کیا ہے جو متعین ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یہ چیز سفر یا مرض ہے۔ اور ان دونوں میں یہ غالب گمان موجود ہے کہ حکم کی حکمت سے جو چیز مقصود ہے وہ پوری ہو جائے گی۔ اس کی دوسری مثال ضرر کو دور کرنے کے لیے شُفعہ کے احکام ہیں۔ ضرر کوئی متعین اور باقاعدہ شے نہیں جس میں تبدیلی نہ ہوتی ہو۔ اس لیے شارع نے اس حکم کو شرکت یا پڑوسی کے ساتھ مربوط کیا ہے کیونکہ شریک یا پڑوسی کو خریدنے والے سے ضرر پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے حکم ان دونوں چیزوں کے ساتھ وابستہ کر دیا، کیونکہ غالب گمان یہی ہے کہ نقصان انہی دونوں کو پہنچ سکتا ہے۔ اس لیے ان سے نقصان کو دور کرنے کے لیے ان کے ساتھ حکم کو مربوط کیا ہے اور شارع کا یہی مقصود ہے۔

حکم کی بنیاد حکمت نہیں بلکہ علت ہوتی ہے: چنانچہ حکمت کے پوشیدہ ہونے یا متعین وباقاعدہ نہ ہونے کے سبب سے اکثر اَحکام کا دارومدار اِس پر نہیں بلکہ ان کو ایک ایسی چیز سے مربوط کیا ہے جو کھلی اور ظاہر ہو اور باقاعدہ اور متعین ہو اور غالب گمان یہ ہو کہ حکم کی حکمت سے جو مقصود ہے وہ اس سے پورا ہو جائے گا۔ یہ ظاہر و متعین وباقاعدہ چیز علمائے اُصول کی اصطلاح میں علت کہلاتی ہے۔ اسی کو علتِ حکم، مناطِ حکم یا مظنۂ حکم کہتے ہیں۔

اس جائزہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ حکم کی علت اور حکم کی حکمت کے درمیان فرق ہے، جو یہ ہے کہ حکمت سے مراد "وہ مصلحت ہے جس کو شارع اس حکم کی تشریع سے پورا کرنا چاہتا ہے۔" اور "علت حکم کی وہ ظاہری و متعین باقاعدہ صفت ہے جس پر حکم مبنی ہوتا ہے، اور اپنے وجود وعدم کے اعتبار سے اس کے ساتھ مربوط ہوتا ہے، کیونکہ اس حکم کی تشریع سے جو مصلحت مقصود ہے، اس سے اس کے پورا ہونے کا غالب گمان (مظنّہ) ہے۔" اس لیے علماءِ اُصول یہ کہتے ہیں: "الأحکام تربط بعللها لا بحکمها" یعنی "شرعی احکام اپنی علتوں کے ساتھ مربوط ہیں، نہ کہ اپنی حکمتوں کے ساتھ، اس کا مطلب یہ ہے کہ جب علت موجود ہوگی تو حکم بھی موجود ہوگا۔ اگرچہ بعض اوقات اس کی حکمت موجود نہیں ہوتی۔ اور جب علت موجود نہ ہوگی تو حکم بھی موجود نہ ہوگا، اگرچہ بعض اوقات اس کی حکمت موجود ہوتی ہے، کیونکہ حکم کے علت کے ساتھ مربوط ہونے میں یہ غالب گمان موجود ہوتا ہے کہ اس کی حکمت کا مقصد اس سے پورا ہو جاتا ہے۔ اکثر وبیشتر احکام میں ان کی علتوں سے وہ مقصد بھی پورا ہو جاتا ہے جو ان کی تشریع سے شارع کے ذہن میں ہوتا ہے۔ شاذونادر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس علت سے وہ مقصد

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پورا نہیں ہوتا۔ تاہم یہ بات واضح رہے کہ اکثریت کا اعتبار ہوتا ہے، شاذ و نادر کا نہیں۔ جیسے اگر کوئی طالب علم امتحان میں اچھے درجہ سے کامیاب ہو تو اس کے بارے میں یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے علوم کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہوگا، اور ان سے پوری طرح واقف ہوگا، اور غالب گمان یہی ہے کہ تعلیم کے اس مرحلہ کو مکمل کرنے کی اس میں پوری صلاحیت موجود ہوگی۔ نیز احکام کو علتوں کے ساتھ مربوط کرنا تکلیف احکام کو مستقل اور دائمی بنانے، ان کو باقاعدگی بخشنے، ان میں عموم پیدا کرنے، تشریع کے عام احکام کو غیر متبدل، اور ان کو واضح کرنے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ یہ بڑے بڑے فائدے ہیں۔ اگر کبھی بعض جزئیات یا خاص واقعات میں حکمت فوت ہو بھی جائے تو اس سے ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس اصول کی بنا پر اگر کوئی مسلمان سفر کر رہا ہو، تو اس کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، چاہے روزہ رکھنے میں اس کو مشقت نہ ہو، اور جو شخص اپنے گھر پر ہو، تو اس کو روزہ چھوڑنے کی اجازت نہیں۔ چاہے اس کو اپنے کام میں کتنی ہی تکلیف و مشقت ہو۔ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ زمین میں شریک ہو اور اس کا شریک اس زمین کو کسی اجنبی شخص کے ہاتھ فروخت کرے تو اس کو حق شفعہ کے سبب اپنے شریک کے حصہ کا مالک ہونے کا حق حاصل ہے، چاہے اس خریدنے والے سے اس کو کوئی نقصان نہ پہنچے، کیونکہ حق شفعہ شرکت یا پڑوس کے ساتھ مربوط ہے، ایسے نقصان کے ساتھ نہیں جو بالفعل اس کو پہنچتا ہو۔ جو شخص اس زمین میں شریک نہ ہو یا اس کا پڑوسی نہ ہو تو حق شفعہ کے سبب اس کو اس زمین کی ملکیت کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اگرچہ خریدنے والے سے اس کو کتنا بڑا نقصان پہنچے۔ کسی چیز کے فروخت کرنے کی صورت میں اگر اس کی علت پائی جائے، یعنی ایجاب و قبول موجود ہو، تو اس چیز کی ملکیت خریدنے والے کی طرف منتقل ہوگی، اور قیمت کی ملکیت بیچنے والے کی طرف۔ چاہے ظاہری طور پر فریقین میں سے کسی کی بھی حاجت نہ پائی جائے۔ اسی طرح دوسری مثالیں بھی پیش کی جاسکتی ہیں۔" (جامع الاصول ترجمہ الوجیز صفحہ ۲۵۳ تا ۲۵۶)

اس کے بعد مصنف نے علت کی شروط کا بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ہم صرف علت کی شروط پر مبنی عنوانات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں:

(۱) علت ایک ظاہر وصف ہونا چاہیے

(۲) علت ایک منضبط اور غیر متبدل وصف ہونا چاہیے

(۳) وصف حکم کے مناسب ہونا چاہیے

چونکہ وصف کی حکم سے مناسبت بہت معرکۃ الآراء مسئلہ ہے لہٰذا ہم اسے صرف ضمیمہ کے طور پر منسلک کر رہے ہیں۔ اسی طرح بعض دیگر شروط بھی ہیں جو مختلف فیہ ہیں، ان کے یہاں ذکر کی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ضرورت نہیں۔ بسا اوقات یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ حکمت کیوں علت نہیں بن سکتی۔ لہٰذا واضح رہے کہ کبھی حکمت بھی علت بن جاتی ہے۔ مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ حکمت میں ہی علت کی شرائط پائی جائیں۔ ملاحظہ ہو مباحث العلة فی القیاس عند الاصولین از عبدالحکیم سعدی ص۱۰۶تا۱۱۸

میں اس کتاب سے اُصولیوں کے صرف راجح قول کو نقل کرتا ہوں: (ص۱۱۳تا۱۱۴)

فقد ذهب بعض الأصوليين إلى التفصيل في جواز التعليل بالحكمة، فأجاز التعليل بها إن كان ظاهرة منضبطة بنفسها، ومنع التعليل بها إن كان مضطربة أو خفية، وهذا ما ذهب إليه: الأمدى، وابن الحاجب والصفي الهندي وكثير غيرهم

"بعض اصولی حکمت کو علت بنانے کے سلسلے میں تفصیل یوں پیش کرتے ہیں کہ اگر وہ حکمت خود ظاہری اور منضبط ہو تو علت بن سکتی ہے۔ اگر اس میں خفا اور اضطراب کی کیفیت ہو تو علت نہیں بن سکتی۔ یہ رائے آمدی، ابن حاجب اور صفی ہندی وغیرہ بہت سے اصولیوں کی ہے"

قرآنِ کریم میں صرفی اور تجارتی سود کی حرمت

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۷۹ ﴿وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ﴾ میں اصل زر (رأس المال) لینے کی اجازت مطلقاً آئی ہے۔ یعنی ادھار کا معاملہ خواہ صرفی (ذاتی) مقاصد کے لئے پیش آئے یا تجارتی اَغراض کے لیے، دونوں صورتوں میں قرض خواہ مقروض سے صرف اصل زَر لے سکتا ہے۔ البتہ اگر سرمایہ کو قرض کی بجائے کاروبار کے لیے دیا جائے تو اس کی تفصیلات قرآن وسنت میں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرض کے ذکر کے فوراً بعد دَین مؤجل کا ذکر کیا ہے جو سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۲ اور ۲۸۳ میں صراحت سے آیا ہے، اس کے آگے پیچھے آیت ۲۸۱ اور آیت ۲۸۴ میں اُخروی محاسبہ کا ذکر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ معاملات کے اندر نیتوں اور مقاصد کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے کا جن کا اصل محاسبہ تو روزِ قیامت ہی ہوگا لیکن دنیا میں بھی علامتوں کے بموجب معاملات کی صورتیں متعین کی جائیں گی۔

قرض اور دَین میں فرق ہے: عام طور پر لفظ قرض اور لفظ دَین میں فرق نہیں کیا جاتا۔ ترجمہ کرنے والے دَین کا ترجمہ بھی قرض سے ہی کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ بالخصوص انگریزی ترجموں میں آپ ایسی بے احتیاطی زیادہ پائیں گے۔ لیکن دَین کا لفظ عربی زبان میں عام ہے اور قرض کا لفظ خاص یعنی صرف اصل مال واپس لینے کی اجازت قرض کے معاملہ تک محدود ہے اور جو سرمایہ کاروباری مقاصد کے تحت دیا جاتا ہے اس پر صرف دَین کا اطلاق ہوتا ہے قرض کا نہیں۔ (الفائدۃ والربا از سعدی ابو حبیب ص ۱۶ و مترادفات القرآن از مولانا عبدالرحمٰن کیلانی ص ۱۲۷، ۱۲۸)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مفسرین نے سورۂ بقرہ کی آیت ۱۸۲ کے شروع کے الفاظ ﴿إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ﴾ کے بارے میں تفسیر کرتے ہوئے صحابہ کی تفاسیر سے بیع السّلم اور بیع مؤجّل کا ذکر کیا ہے: وکان ابن عباس یقول نزلت هذه الأية فی السلم خاصة (تفسیر طبری: ج۳ ص۱۱۶)

"ابن عباسؓ فرماتے ہیں: یہ آیت خصوصی طور پر [اُس] بیع سلم کے بارے میں اُتری ہے [جس میں نقد رقم کے بدلے خریدی چیز کو متعینہ صفات کے ساتھ مخصوص مدت کے بعد حاصل کرنے کا سودا ہوتا ہے]"

میں توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ ربا کے فوراً بعد (آیت ۱۸۲ میں) تجارتی معاہدوں کا ذکر کر کے قرآنِ مجید نے ان لوگوں کے نظریہ کی تردید کر دی ہے جو کہتے ہیں کہ ربا کا تعلق صرف صرفی مقاصد کے لیے قرض لینے سے ہے، کاروباری معاہدوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ حالانکہ خود قرض کی ایک صورت بھی کاروباری ہوتی ہے یعنی جب قرض لینے والا کاروباری شروط کے بغیر سادہ قرض لے کر اس سے کاروبار کرے۔ ایسی صورت میں قرض خواہ مقروض سے کوئی منافع تو نہیں لے سکتا، لیکن قرض خواہ کا مال محفوظ رہتا ہے اور وہ اسے پورے کا پورا واپس مل جاتا ہے۔ جب کہ مضاربت اور مشارکت کی صورتوں میں رأس المال نفع و نقصان کی زد میں آتا ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸۳ میں امانت کا ذکر آیا ہے۔ امانت سے مراد اگرچہ عموماً گروی شے لی جاتی ہے لیکن اس کا ایک مفہوم وہ قرض بھی ہے جو مضاربت اور مشارکت کے معاہدوں کے بغیر بطورِ قرض لیا جاتا ہے۔ لیکن اس سے تجارت کی جاتی ہے لہٰذا اس میں وقت مقررہ کے بعد پورا رأس المال واپس کرنا ضروری ہے خواہ فائدہ ہوا ہو یا نقصان۔ لہٰذا اس صورت میں رأس المال بالکل محفوظ رہتا ہے چنانچہ اس کی طرف اشارہ 'امانت' کے لفظ سے کیا گیا ہے۔

مقام نمبر ۲: ربا کی جامع مانع تعریف؟

وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلہ کے پیرا نمبر ۸۶ میں ربا کی تعریف ان الفاظ سے کی ہے: کل قرض جرّ منفعة فهو رِبا۔ "ہر وہ قرض جو فائدے کا موجب بنے، ربا ہے" یہ الفاظ اگرچہ عموماً بطورِ حدیثِ رسول ﷺ بیان کیے جاتے ہیں لیکن تحقیق کے مطابق یہ الفاظ محمد بن سیرینؒ تابعی کے ہیں اگرچہ بہت سے صحابہ جیسے فضالہ بن عبیدؓ وغیرہ سے بھی اس سے ملتے جلتے الفاظ ثابت ہیں۔ تابعی کی بات کو اصطلاح میں حدیث مقطوع اور صحابی کی بات کو حدیث موقوف کہتے ہیں۔ یہ الفاظ مفہوم کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ حدیث موقوف ہیں۔ کیونکہ یہ ربا کی مکمل تعریف نہیں بلکہ اس کی ایک قسم قرض

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی تعریف ہے، حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے اگر اس طرح کی تعریف وارد ہوتی تو وہ جامع ہوتی کیونکہ آپ کے امتیازات میں یہ شامل ہے:

أُعطِيتُ جوامع الكلم   (صحیح مسلم مع المنهاج ج۵،٦ صفحہ ۸)

"میں دیگر انبیاء پر یہ امتیاز رکھتا ہوں کہ مجھے جامع کلمات عطا کیے گئے"

بہر صورت اب یہ الفاظ مشہور مقولہ بن گئے ہیں، اس لیے عموماً ربا کی تعریف کرتے ہوئے انہیں ذکر کر دیا جاتا ہے۔ روایتی تحقیق کے لیے ملاحظہ ہو: إرواء الغلیل از محمد ناصر الدین البانی: ج۵ر صفحہ ۲۳۴ تا ۲۳۶)

واضح رہے کہ تابعی یا صحابی کی بات کو اصطلاحاً حدیث اس لیے کہہ دیا جاتا ہے کہ زیادہ امکان یہی ہوتا ہے کہ صحابی یا تابعی کی بات کا یہ مفہوم رسول کریم ﷺ کی بات ہی ہو۔ اسی بنا پر کل قرض جرّ منفعة فهو ربا کے مقولہ پر حدیث کا اطلاق ان مخصوص معنوں میں درست ہے۔ تاہم ربا کی یہ تعریف قرض کے ربا تک محدود ہے اور بیوع کے ربا کے لیے اس پر امام سرخسیؒ کی تعریف کا اضافہ کرنا پڑے گا جو یوں ہے: هوالفضل الخالي عن العوض المشروط ذا دخل في البيع (کتاب المبسوط ج۱۲ ص۱۰۹)

"ربا معاہدۂ بیع میں ایک فریق کے لیے وہ مشروط اضافہ ہے جس کا کوئی بدل نہ ہو"

اگر اس تعریف کو تھوڑا سا بدل دیا جائے تو زیادہ بہتر ہو جائے گی کیونکہ امام سرخسیؒ کی مراد ایسی ہی ہے۔ یعنی "ربا باہمی لین دین کا وہ معاملہ ہے جس میں مشروط اضافہ بلا استحقاق ہو"

اسلام میں وقت ذریعہ پیداوار نہیں: میں نے بیع یا قرض کے بجائے لین دین کے معاملہ (Transaction) کے الفاظ اس تعریف کو جامع بنانے کے لیے استعمال کیے ہیں اور مشروط اضافہ کے ساتھ 'بلا استحقاق' کے الفاظ کا اضافہ اس لئے کیا ہے کہ بعض لوگ سود کو وقت گزرنے کا عوض لینے کا حیلہ بناتے ہیں جبکہ اسلام کی رو سے 'وقت' ہوا اور روشنی جیسی ایک قدرتی نعمت ہونے کی ناطے ذریعہ پیداوار نہیں۔ بعض لوگوں کو ہمارے ہاں مزدوری میں 'وقت کے تعین' سے یہ مغالطہ ہو سکتا ہے کہ وقت کی بھی قیمت ہوتی ہے حالانکہ بیکار وقت کی کوئی اُجرت نہیں ہوتی بلکہ اُجرت تو کام کی ہوتی ہے لیکن اس کا اندازہ وقت کے حساب سے کیا جاتا ہے۔ اسی لیے ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ ﷺ نے زمانہ اور وقت کا اطلاق اللہ تعالیٰ کی ذات پر کیا ہے: (سنن کبریٰ ص۳۶۵، مسلم مع النووی ص۳ر۳۱۰)

لاتسبّوا الدهر فإن الله قال أنا الدهر وفي رواية مسلم فان الله هو الدهر

"زمانہ کو گالی نہ دو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں زمانہ ہوں"

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اسلامی ذرائع پیداوار کی تفصیلی بحث آگے آرہی ہے......

مقام نمبر ۳ : ربا الفضل کی بحث غیر متعلقہ نہیں!

فیصلے کے پیرا نمبر ۳۷ اور ۱۳۷ وغیرہ میں کہا گیا ہے کہ مذکورہ مقدمہ ربا کے سلسلے میں ربا الفضل کی بحث غیر متعلقہ ہے حالانکہ یہ بات درست نہیں۔ اس وقت سودی معاہدوں میں عموماً کاغذی کرنسی بطورِ سرمایہ چلتی ہے اور کرنسی کا تعلق ربوالفضل سے ہے، کیونکہ کرنسی کے پیچھے ماضی قریب تک سونا چاندی اَساس کے طور پر موجود رہے ہیں جس کی تعبیریوں کی جاتی ہے کہ "کرنسی سونا چاندی کے قائم مقام ہے"......اسی وجہ سے کاروباری معاملات میں سونا چاندی کا تبادلہ ربا الفضل میں بیع صَرف کی قسم سے شمار کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے سے ہی ہم پیرا نمبر ۱۸۱ میں مذکور حضرت عبادہ بن صامتؓ کی حدیث ذکر کرتے ہیں......رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبُرّ بالبُر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواء بسواء يدا بيد. فإذا اختلفت هذه الأصناف فبيعوا كيف شئتم إذا كان يدا بيد (صحیح مسلم: ص ۳۱۲)

"سونا کی سونا کے بدلے، چاندی کی چاندی کے بدلے، گندم کی گندم کے بدلے، جو کی جو کے بدلے، کھجور کی کھجور کے بدلے، نمک کی نمک کے بدلے برابر برابر، یکساں طور پر اور ہاتھوں ہاتھ خرید وفروخت ہونی چاہیے، لیکن اگر انہی صنفوں کا مختلف ہو کر سودا ہو تو اضافہ میں کوئی حرج نہیں تاہم ہاتھوں ہاتھ ہونا ضروری ہے۔"

اِصطلاح میں اسے ربا الفضل ہی کہتے ہیں جس کی تین قسمیں کی جاتی ہیں:

(۱) مذکورہ ہم صنف اشیا کا کمی بیشی سے سودا

(۲) مذکورہ ہم صنف اشیاء کا برابری کی صورت میں اُدھار کاروبار

(۳) مذکورہ اشیاء صنف میں تو مختلف ہوں لیکن ان کی خرید وفروخت اُدھار کے ساتھ ہو۔

اس کے بارے میں مزید گفتگو ہم بعد میں کریں گے، فی الحال یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ربا الفضل غزوۂ خیبر ۷ھ کے موقع پر حرام ہوا جس کی دلیل کے طور پر درج ذیل دو احادیث ملاحظہ فرمائیں:

(i) ابوسعید خدریؓ اور ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے خیبر کے علاقہ پر ایک شخص کو حاکم بنایا تو وہ آپ کے پاس عمدہ کھجوریں لے کر آیا، آپ نے پوچھا: کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہی ہیں؟ اس شخص نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایسی بات قطعاً نہیں، ہم ان عمدہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کھجوروں کا ایک صاع (ایک پیمانہ) ملی جلی کھجوروں کے دو صاعوں یا تین صاعوں کے بدلے میں خریدتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: "ایسا نہ کرو بلکہ ملی جلی کھجوروں کو درہموں کے بدلے بیچ کر پھر ان درہموں سے عمدہ کھجوریں خرید لیا کرو۔"

(ii) اسی طرح فضالہ بن عبیدؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے خیبر کے دن ۱۲/ دینار کے عوض ایسا ہار خریدا جس میں سونا اور جواہرات تھے پھر جب انہوں نے اس ہار کو کھولا تو اس میں ۱۲/ مثقال (دینار) سے زیادہ سونا ملا۔ انہوں نے اس بات کا ذکر رسول اکرم ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ "ایسی چیزیں کھولے بغیر نہ بیچی جائیں" (کتاب دراسات حول الربا والفوائد والمصارف از فیصل مولوی ص ۱۴)

ربا الفضل کا ایک حصہ ان چھ چیزوں میں سے سونا چاندی کا باہمی تبادلہ ہے جسے بیع الصرف کہتے ہیں اور دوسرا حصہ بقیہ چار چیزوں کا باہمی تبادلہ ہے۔ اگر یہ سودا ہم صنف اشیا میں کمی بیشی کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ بھی ہو تو اُسے ربا الفضل کہتے ہیں لیکن مذکورہ اشیا کی مختلف اصناف کی باہمی خرید وفروخت میں کمی بیشی تو جائز ہے لیکن یہ کاروبار اُدھار نہیں ہو سکتا۔ اُدھار ہونے کی صورت میں اسے ربا النسیئۃ کہتے ہیں جو ربا الفضل کی ہی ایک قسم ہے۔ الغرض ربا الفضل کی بحث مسئلہ سود سے غیر متعلقہ نہیں بلکہ کرنسی جو عرفاً سونا چاندی کی نیابت کرتی آرہی ہے کے معاملے ربا الفضل سے ہی متعلق ہیں

مقام نمبر ۴: <u>ربا الفضل کا ایک مقصد انسانوں کی بنیادی ضروریات کی فراہمی آسان بنانا ہے!</u>

ربا الفضل کی بحث میں پہلی بات یہ ہے کہ کیا ان اشیا کی کمی بیشی یا اُدھار کی شکل انہی اشیاء تک محدود ہے یا کوئی ایسی مشترک علت ہے کہ اس کے پائے جانے سے ربا الفضل کا احاطہ وسیع تر ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں فقہا کے اَقوال مختلف ہیں۔ جن کا خلاصہ تفسیر اضواء البیان از محمد امین شنقیطی ص ار ۳۰۸ تا ۳۱۴ کے حوالے سے ذیل میں دیا جارہا ہے :

اس خلاصہ سے پہلے یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ ربا الفضل والی عمومی احادیث میں اگرچہ سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک کا ذکر ہے لیکن تقریباً ۱۰ روایات میں خشک انگور (منقیٰ) کا ذکر بھی پایا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو مجموعہ احادیث ربا و قرض (ضمیمہ خصوصی از حافظ عبدالرحمن مدنی)

تفسیر أضواء البیان کی مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے:

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تمام دیگر وزنی اور پیمائشی اشیاء بھی ان چھ، سات چیزوں کے ساتھ شامل ہیں۔ جب کہ امام مالکؒ سونا، چاندی کے قیمت بننے کو اور باقی اشیاء کے قابل ذخیرہ غذا ہونے کو

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علت قرار دیتے ہیں اور یہ شرط بھی لگاتے ہیں کہ اس علاقہ کی وہ غالب خوراک ہوں۔ امام شافعیؒ نے سونا چاندی کی حد تک امام مالکؒ سے اتفاق کیا ہے۔ لیکن باقی اشیاء کے بارے میں صرف خوراک ہونا ہی کافی قرار دیا ہے اور امام احمد بن حنبلؒ سے مذکورہ بالا تینوں اماموں کے سے اقوال ملتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ سے تینوں طرح کے اَقوال ملنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے اقوال باہمی متضاد ہونے کی بجائے اسی طرح ایک چیز کے متنوع پہلو ہیں جس طرح ایک عمارت چاروں طرف سے مختلف نظر تو آتی ہے لیکن عمارت ایک ہی ہوتی ہے۔ آپ دیکھئے کہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی خوراک کے بارے میں قابل ذخیرہ اور نا قابل ذخیرہ ہونے کی تفریق تمدنی ارتقاء کے نتیجے میں کس طرح ختم ہو کر رہ گئی ہے؟ اب کولڈ سٹوریج اور دیگر وسائل حفاظت سے ہر قسم کے کھانے محفوظ رکھے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کی توجیہ پر غور کیا جائے تو نظریہ آتا ہے کہ وہ وزن اور پیمانہ کے تصور سے ان اشیاء کے معیار و مقدار ہونے پر زور دینا چاہتے ہیں۔ خوراک کے ساتھ معیار و مقدار کو جمع کیا جائے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سونا چاندی اس وقت معیار بنتے ہیں جب کہ وہ مالِ تجارت ہونے کی بجائے صرف ذریعہ تجارت ہوں۔ (ملاحظہ ہو کتاب الاقتصاد للمسلمین از ڈاکٹر رفعت عوضی ص ۲۲۳ تا ۲۴۳ اور إعلام الموقعین از ابن قیم ص ۴۸۷ تا ۴۹۶)

ثمنیّت (قیمت ہونے) کے یہی معنی ہیں اور باقی اشیاء کے معیار بننے کے معنی یہ ہیں کہ ان چیزوں پر کسی علاقہ کی خوراک کے طور پر زندگی کا انحصار ہو گویا کہ وہ علاقہ کی بنیادی خوراک ہوں۔ یہی بات محولہ بالا کتاب دراسات حول الربا کے ص ۲۵ میں ذکر کی گئی ہے

> أما الأجناس الأربعة الأخرىٰ وهي (البرّ والشعير والتمر والملح) فهى أساس المطعومات ...... والأصل فيها أن لا يقع البيع بمقايضة بعضها بالبعض الأخر، بل يبيع الإنسان ما عنده بالنقود، ثم يشتري بها ما يحتاج ، وهذا ينشط التجارة ويقلل المقايضة التي لا تكثر الا في الحياة البدائية للشعوب

> "بہر حال بقیہ چار اجناس: گندم، جو، کھجور اور نمک بنیادی خوراک ہیں۔ اس فرمانِ رسول سے اصل مقصود یہ ہے کہ ان کی خرید و فروخت باہمی اشیاء کے تبادلے (Barter System) کی بجائے نقدی سے ہونی چاہیے۔ پھر اس نقدی سے جس چیز کی ضرورت ہو وہ خریدی جاسکتی ہے۔ اس طرح تجارت کو فروغ حاصل ہوگا اور Barter System جو قوموں کی ابتدائی زندگی میں پایا جاتا تھا، زیادہ نہیں پھیلے گا۔"

چونکہ اسلام کے معاملات میں اصل حلت ہے اس لیے چھ منصوص چیزوں کی علت ایسی ہونی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

چاہیے جو حرمت کو بہت وسیع نہ کردے۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ کی توجیہ کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔ الربا والمعاملات المصرفية فی نظر الشريعة الإسلامية کے مصنف ڈاکٹر عمر بن عبدالعزیز المترک سابق چیئرمین سپریم جوڈیشل کونسل سعودی عرب نے یہی بات ائمہ فقہا کی علت کے بارے میں مختلف آراء کا تقابلی جائزہ لیتے ہوئے کہی ہے۔ (صفحہ ۱۱۳)

متعلقہ فقرہ کا ترجمہ یہ ہے: بے شک علت قابل ذخیرہ غذا ہونا ہے جو امام مالکؒ کی رائے ہے۔ جس پر غالب خوراک ہونے کی شرط بھی لگائی گئی ہے۔ کیونکہ یہ توجیہ چاروں چیزوں کو مخصوص کردیتی ہے۔ یہی بات امام مالکؒ کی توجیہ کے بارے میں صاحب اضواء البیان نے کہی ہے۔ (ج۱ر ص ۳۰۹)

متعلقہ عبارت کا ترجمہ یہ ہے: ''امام مالک نے یہ توجیہ اس لیے کی ہے کہ یہ علت مذکورہ چار اوصاف میں سے سب سے زیادہ مخصوص ہے''

<u>بنیادی ضروریات کی فراہمی آسان بنانے کیلئے شریعت نے اور بھی احکامات دیئے ہیں:</u> حاصل یہ ہے کہ ربا الفضل کی علت ائمہ فقہاء کی تمام توجیہات کا خلاصہ ہے۔ اس بنا پر ہر علاقہ کی بنیادی خوراک کا کمی بیشی یا اُدھار سے کیا گیا کاروبار ناجائز ہو جاتا ہے تاکہ بنیادی ضرورتیں ہر شخص کو آسانی سے میسر آجائیں اور ان کے حصول میں کسی قسم کی تاخیر کی وجہ سے انتظار نہ کرنا پڑے۔ اسلام کی نظر میں انسانی ضرورت کا معاملہ اس قدر اہم ہے کہ وہ جہاں اس سلسلہ میں معاشرہ اور حکومت کو ذمہ دار ٹھہراتا ہے، وہاں بہت سی ایسی پابندیاں بھی عائد کرتا ہے کہ لوگ اپنی بنیادی ضرورتیں مساوی حیثیت سے آسانی سے حاصل کرسکیں۔ اس سلسلہ میں چند ایک ارشاداتِ رسول ﷺ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: (جامع ترمذی مع تحفۃ الاحوذی: ص ۳ر۲۶۷)

''آدمی کا حق ان تین ضرورتوں کے سوا نہیں ہے: ایک اس کا گھر جس میں وہ رہے، دوسرا اس کا کپڑا جو اس کی ستر پوشی کرے، اور تیسرا سوکھی روٹی اور پانی''

حضرت سلمہؓ سے روایت ہے کہ ''لوگوں کے زادِ سفر کم اور تنگ ہوگئے تو وہ نبی ﷺ کے پاس آئے تاکہ اونٹوں کو ذبح کرلیں۔ یہ اجازت حاصل کرنے کے بعد ان کی ملاقات حضرت عمرؓ سے ہوئی تو انہوں نے کہا کہ اونٹوں کے اس طرح ختم ہو جانے کے بعد تم کیسے باقی رہو گے؟ حضرت عمرؓ انہیں لے کر آپ ﷺ کے پاس آئے اور اپنا موقف پیش کیا۔ آپ نے لوگوں میں منادی کروادی کہ وہ اپنے تمام بچے ہوئے زادِ سفر لے کر پہنچ جائیں پھر آپؐ نے ان کے تھیلوں (برتنوں) سمیت ان کو اکٹھا کیا اور برکت کی دعا کی، تمام لوگوں نے دو زانو ہو کر اکٹھے کھانا کھایا۔''

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

یہ احادیث امام بخاریؒ نے کتاب الجهاد والسیر کے دو ابواب حمل الزاد في الغزو اور حمل الزاد علی الرقاب کے تحت ذکر کی ہیں۔ (ص ۶۰۴،۶۰۵)

بخاری کے بعض نسخوں میں اسی کے متصل ایک باب دستر خوان کے بارے میں بھی ہے یعنی جب تمام لوگ اکٹھے ہو کر کھائیں تو ان کا حق برابر ہوتا ہے، خواہ ان کے مالوں کی مقدار کم وبیش ہو۔ چونکہ دستر خوان پر اکٹھے ہو جانے کے بعد دستر خوان پر تمام بیٹھنے والوں کا حق بھی برابر ہو جاتا ہے، اس لیے ایک دستر خوان والے دوسرے دستر خوان پر بیٹھنے والوں کی اجازت کے بغیر ان سے کھانے کی چیز نہیں لے سکتے، اسلامی آداب کی باریک بینی دیکھیے۔ تاہم یہ مساوات محدود صورتوں میں اور ہنگامی حالات میں ہی ہوتی ہے۔ تمام مسافروں کا مال اکٹھا کر کے مل جل کر کھانے کا مسئلہ ہنگامی ضرورت کے تحت تو لازمی ہے لیکن فراخی کی صورت میں سب کا اکٹھے مل کر کھانا ضروری نہیں۔ (۴)

اسی طرح رسول ﷺ کا ارشاد: "الناس شركاء في ثلاث فى الكلاء والماء والنار" "لوگ تین چیزوں میں شریک ہیں: گھاس، پانی اور آگ" (سبل السلام مع بلوغ المرام از امیر صنعانی: ج ۳، ص ۹۳۲ اور التدابير الواقية من الربا از ڈاکٹر فضل الٰہی ص ۱۴۸ تا ۱۵۰)

غیر اسلامی معیشت کے ذرائع پیداوار کا اسلام سے تقابل

ہم نے ربا الفضل کی علت کے ضمن میں غذائی اشیاء کے تبادلہ کے بارے میں انسانی ضرورت کا ذکر کیا ہے اور اسی کے تحت چند اسلامی تعلیمات کا حوالہ بھی دیا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ اسلام انسانی ضرورت کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ اسلام کی نظر میں انسانی ضرورت کا تصور ایک اہم عامل پیداوار یعنی 'خدمت' سے وابستہ ہے۔ اسلام میں خدمت کے امتیازی تصور کو اجاگر کرنے کے لیے مناسب ہوگا کہ میں پہلے مادّی معاشیات کے نقطہ نظر سے ذرائع پیداوار کا مختصر ذکر کر دوں......

سرمایہ دارانہ معیشت میں چار ذرائع پیداوار شمار کیے جاتے ہیں:

۱۔ Capital (سرمایہ) جس کا حاصل سود (Interest)

۲۔ Land (زمین) جس کا حاصل کرایہ (Rent)

۳۔ Labour (محنت) جس کا حاصل اُجرت (Wages)

جدید سرمایہ دارانہ معاشیات کی تعبیر کے مطابق مذکورہ تینوں عوامل کا نتیجہ متعین ہوتا ہے

(۴) ان احادیث میں شریعت کے ایک روشن پہلو کی مصلحت کو بیان کیا گیا ہے جس کے پیش نظر انفرادی حصص یا تعاون جب اجتماعی صورت میں ڈھل جاتے ہیں تو ان سے استفادے کی یکساں سہولت جائز متصور ہوتی ہے۔ یہ حکمت اسلام کی سربلندی اور اس کے اجتماعی مقاصد کی آئینہ دار ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جب کہ چوتھا ذریعہ پیداوار تنظیم (Organzation) ہے جس کا نتیجہ غیر متعین ہوتا ہے چنانچہ دیگر تمام ذرائع کو متعین نتیجہ سے منسلک کر کے تنظیم کو کھلا ہاتھ دے دیا گیا ہے جس کا حاصل "منافع" (Profit) کہلاتا ہے۔ اس کے بالمقابل اشتراکی معاشیات کے ہاں ذرائع پیداوار صرف دو ہیں:

(۱) زمین اور (۲) محنت ..... لیکن ان دونوں کا حاصل صرف "انسانی ضرورت" ہے۔

اسلامی ذرائع پیداوار میں خدمت بھی شامل ہے، جو ضرورت کی بنیاد پر وجود میں آتی ہے اور عند اللہ اجر کے تصور سے وابستہ ہے: اسلام اگرچہ سرمایہ دارانہ نظام کی ذرائع پیداوار کے ضمن میں کی جانے والی خصوصی توجیہ کو پوری طرح تو تسلیم نہیں کرتا لیکن ضرورت کے حوالہ سے یہ کہنا مناسب ہے کہ ضرورت کے پیش نظر اسلام میں ایک اہم اضافی عامل کا تصور بطورِ 'خدمت' کے موجود ہے جس کا حاصل 'ضرورت' ہوتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلام میں محنت کا تصور صرف اُجرت میں محدود نہیں ہے بلکہ محنت کے علاوہ ایک اہم عامل 'خدمت' بھی ہے جس کا امتیاز ہے کہ یہ 'خدمت' انسان پر دنیاوی اُجرت کے مقصد کے بغیر عند اللہ 'اجر' کی امید سے لازمی قرار دی گئی ہے جو انسان پر دوسرے ہر انسان بلکہ غیر انسان کے حق کے طور پر بھی ایک لازمی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَى حُبِّهِ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّأَسِيرًا إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَّلَا شُكُورًا﴾

"اور وہ یتیموں، مسکینوں اور قیدیوں کو اپنے کھانے سے محبت کے باوجود کھانا کھلاتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ بے شک ہم اللہ کی رضا کے لیے کھلا رہے ہیں ہم تم سے کوئی بدلہ چاہتے ہیں اور نہ شکر گزاری" (سورۃ الدہر ۷۶/۸،۹)

اور رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: في كل ذات كبد رطبة أجر (متفق علیہ)

"ہر تر جگر والے جاندار کا کوئی خدمت انجام دینا اجر کا باعث ہے" (بخاری، حدیث ۲۴۶۶)

اس خدمت کے تصور کا ضابطہ قرآنِ کریم میں یوں بیان ہوا ہے :

﴿وَمَن كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَن كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾

"خدمت گار اگر غنی ہے تو اسے چاہیے کہ وہ یتیم کے مال میں سے کچھ نہ لے لیکن اگر وہ محتاج ہو تو پھر وہ بھلے رواج کے مطابق کچھ لے سکتا ہے" (سورۃ النساء: ۶/۴)

یہاں سرمایہ دارانہ معاشیات کے طے کردہ ذرائع پیداوار کے بارے میں یہ نوٹ فرمائیں کہ جدید معاشیات کے ابتدائی تین عوامل سرمایہ، زمین اور محنت کے بارے میں حتمی نتیجہ کی بات بھی درست نہیں کیونکہ سرمایہ اگر کاروبار میں حصہ کی صورت ہو تو اس کا حاصل متعین منافع نہیں ہوتا بلکہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طے شدہ نسبت بھی ہو سکتی ہے۔ اسی طرح زمین اگر بٹائی پر ہو تو اس کا منافع متعین نہیں ہوتا۔ اسی طرح محنت کی بھی دو صورتیں ہیں: (۱) متعین تنخواہ یا اُجرت

(۲) اُجرت ہی کی دوسری شکل حصہ یا کمیشن کی بھی ہو سکتی ہے۔

☆ سرمایہ کے ضمن میں یہ نکتہ بڑا اہم ہے کہ جدید معاشیات کی رو سے کیا کرنسی کو "سرمایہ" قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ کاغذی کرنسی کو بضاعۃ (Commodity) کی حیثیت دینے کا نظریہ مرجوح ہے جس طرح کہ آئندہ نقدی کی بحث میں آرہا ہے نیز چونکہ کرنسی کا بڑا دارومدار اشیاء اور خدمات (Services) کی طلب ورسد پر ہوتا ہے گویا کرنسی اسی کی نمائندگی کرتی ہے۔ اور اشیاء اور خدمات تو تجارت میں استعمال ہونے کے بعد ہی سرمایہ (Capital) بن سکتی ہیں لہٰذا (Commodity) بنے بغیر محض کرنسی پر کوئی متعین مشروط اضافہ (سود) سرمایہ کا حاصل نہیں بلکہ صرف ایک اعتباری زر کا حاصل ہوتا ہے۔ جو عامل پیداوار نہیں (Economic Paul A Samuelson P:8, 29-30) یہی وجہ ہے کہ اسلام نے کرنسی کو تجارتی مال Commodity میں تبدیل کر کے تجارتی معاہدہ کرنے کی ہی اجازت دی ہے جو مضاربت اور مشارکت کہلاتی ہے یہی اسلام کا مطلوب ہے۔

علاوہ ازیں مضاربت اور مشارکت کی صورت میں اسلام نے سرمایہ کو خطرہ (Risk) میں ڈال کر سود کے اس تصور کو بھی باطل کیا ہے کہ صرف مہلت (وقت) بھی کوئی ذریعہ پیداوار بن سکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

اسلامی معاشیات کے ذرائع پیداوار کا ایک مخصوص مزاج ہے جو اسلامی عقائد کی اُقدار میں گھرا ہوا ہے۔ کسی ایک قدر کو بطور فلسفہ بھی اختیار نہیں کیا جاسکتا بلکہ تمام پہلو بیک وقت ملحوظ رکھنے پڑتے ہیں۔ مثلاً خطرہ (Risk) ایک قدر ہے جو بہر حال سرمایہ سے متعلق ہے جب کہ کرایہ داری (اِجارہ) میں دوسری اُقدار ملحوظ رکھی گئی ہیں۔

مقام نمبر ۵: کرنسی کی کیا حیثیت ہے اور اشاریہ بندی کے بارے میں اسلام کا کیا نقطۂ نظر ہے؟

اس کی اَساس پر دورِ جدید میں کئی علماء اور دانشور علمی اُلجھنوں کا شکار ہوئے ہیں۔ وفاقی شرعی عدالت نے بھی اس موضوع کو بہت اہمیت دی ہے جس پر شرعی عدالت کا زیر غور فیصلہ پیرا نمبر ۱۵۲ سے لیکر ۲۳۴ تک پھیلا ہوا ہے۔ میری رائے میں یہ مسئلہ بڑا حساس ہے جس میں عموماً صورتِ واقعہ کے صحیح اِدراک نہ ہونے کی بنا پر اِفراط و تفریط ہو جاتی ہے۔ چنانچہ میری رائے میں فقہ الأحکام سے قبل فقہ الواقع متعین کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اگر فقہ الواقع پوری طرح سامنے نہ ہو تو خطرہ ہے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کہ فقہ الأحکام کا اطلاق ہم اصلی صورت حال پر کرنے میں غلطی کر جائیں جو ایک بڑی اجتہادی غلطی ہوگی۔ سپریم کورٹ کے شریعت اپلیٹ بنچ کو یہی چیلنج درپیش ہے۔ میں اپنی سوجھ بوجھ کے مطابق پہلے فقہ الواقع (امر واقعہ) کو لیتا ہوں :

کرنسی کی حیثیت

کرنسی کا وجود تو بہت پرانا ہے اور کہا جاتا ہے کہ چین میں دو ہزار سال قبل مسیح کاغذی کرنسی رائج تھی۔ کرنسی کا ارتقاء بارٹر سسٹم (Barter System) کے بعد سونا، چاندی سے لے کر کاغذی کرنسی تک کیسے ہوا؟ یہ پہلو اگرچہ براہِ راست سپریم کورٹ میں زیر بحث نہیں تاہم یہ پیش نظر رہنا چاہئے کہ دورِ حاضر کی سپریم پاور (امریکہ) نے ۸۰ کی دہائی میں اس کی اَساس سونا (Gold) سے ختم کر کے اِسے صرف زَرِ اعتبار (اعتباری زر) بنادیا ہے۔

چونکہ کاغذی نوٹوں کی اپنی ذاتی قدر کچھ نہیں ہوتی لہٰذا یہ سوال پیدا ہوا کہ فقہی طور پر اب کرنسی نوٹوں کی کیا حیثیت رہ گئی ہے؟ کرنسی نوٹوں کے ارتقا کے ساتھ ساتھ بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر اس کے بارے میں عموماً چار نظریات زیر بحث آتے رہے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(الف) کرنسی نوٹ بحیثیتِ حوالہ اور رسید (Document)

(ب) کرنسی نوٹ بحیثیتِ سامانِ تجارت (Commidity)

(ج) کرنسی نوٹ کا معدنی سکوں سے اِلحاق

(د) کرنسی نوٹ کے بارے میں نظریہ بدل

اگرچہ "کرنسی نوٹ" پر انگریزی اور عربی میں بیش بہا لٹریچر موجود ہے اور اب تو اردو زبان میں بھی اس موضوع پر کافی لٹریچر آچکا ہے۔ تاہم اس کی شرعی حیثیت کے بارے میں بہت کم کتب مارکیٹ میں موجود ہیں۔ اس لیے ہم اُردو زبان میں ایک نئی کتاب "کاغذی کرنسی کی تاریخ، ارتقاء اور شرعی حیثیت" جو شیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع (جج مکہ مکرمہ ہائیکورٹ و رکن اکابر علماء بورڈ سعودی عرب) کی عربی تصنیف الورق النقدي: حقيقته، تاريخه، حكمته کا اُردو ترجمہ ہے، کا اقتباس از صفحہ ۲۹ تا ۶۱ پیش کرتے ہیں۔ جس میں بالخصوص ص ۶۱ کی درج ذیل عبارتیں قابل توجہ ہیں:

☆ "حقیقت یہ ہے کہ یہ نظریہ (بدل، قائم مقام اور نمائندگی کا نظریہ) صحیح تر ہے۔"

☆ آگے اسی نظریہ کی عملی تطبیق کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں: "البتہ جاری کنندہ ان کرنسی نوٹوں کا ضامن ہے، اور یہ ضمانت لازمی طور پر سونے چاندی کی صورت میں نہیں بلکہ پراپرٹی کی صورت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

میں بھی ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ جرمنی نے کیا، جس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ ان کی مالیت کے مساوی واقعی اصل زر موجود ہو جیسا کہ اکثر آسٹریلوی ممالک میں ہے۔"

☆ اگرچہ دنیا بھر میں کرنسی نوٹ کا رواج ہے۔ اور اس کے پیچھے ضمانت صرف اقتدار کی نہیں بلکہ یہ بھی باور کرلیا جاتا ہے کہ 'اقتدار' مستحکم مالی پوزیشن کا بھی حامل ہے۔ اسی بنا پر کرنسی زر کا اعتبار کیا جاتا ہے لیکن کرنسی نوٹ جسے ہم Legal Tender Money کہہ سکتے ہیں کے ساتھ ساتھ ایک خالص Credit Money بھی رائج ہے جو چیک، ہنڈی وغیرہ کی دستاویزاتی شکل میں چل رہی ہے، بلکہ اب تو نودولتیوں میں Credit Card کا بھوت 'جنون' کی حد تک سوار ہو رہا ہے۔ اس Credit Money کے حوالہ سے اَن گنت سوسائٹیاں Lets Work کے علاوہ معرض وجود میں آرہی ہیں۔ جن کی تعداد اگرچہ ۱۹۹۴ء میں صرف UK (برطانیہ) میں تقریباً ۲۰۰ تھی لیکن ان میں ہر ہفتہ ایک دو سوسائٹیوں کا اضافہ ہو تا رہا۔ اس حساب سے یہ تعداد اب تک صرف UK میں ایک ہزار تک پہنچ چکی ہو گی اس سے، آپ پوری دنیا کا اندازہ لگا لیجئے۔"

کرنسی نوٹ اگرچہ اعتبار کی بنیاد پر قائم ہے۔ مگر یہ اعتبار صرف یک طرفہ ہے، یعنی اقتدار کا اعتبار...... کرنسی کے ذریعہ کمزور جانب کس طرح پامال کی گئی یا کی جاسکتی ہے؟ اس کا ایک عام آدمی اندازہ نہیں کر سکتا۔ امریکہ سپر پاور ہونے کی حیثیت سے دنیا بھر میں سب سے زیادہ قابل اعتبار سمجھا جاتا ہے لیکن اس کا شمار دنیا بھر کے مقروض ترین ملکوں میں کیا جاسکتا ہے۔ ۱۹۹۳ء میں اس پر صرف امریکی عوام کا قرضہ تقریباً ۶۳۵۰ ارب ڈالر تھا۔ جس پر ساڑھے ۱۷۵ ارب ڈالر کا بیرونی قرضہ بھی اضافہ کر لیجئے یہ تمام قرض عراق، کویت جنگ کے بہانے بھاری مقدار میں تیل پیدا کرنے والے ملکوں کے خزانوں پر مسلط ہونے کے باوجود ہیں۔ ان قرضوں سے جان چھڑانے کی صورت یہ سوچی گئی ہے کہ نہ صرف امریکہ ان قرضوں کی ادائیگی کی واحد صورت قرض کے برابر کرنسی نوٹ (ڈالر) چھاپ لے بلکہ امریکہ کے جو قرض دوسرے ممالک کے ذمہ ہیں، ان ممالک کو بھی یہ ترغیب دی جائے کہ وہ اسی طرح کرنسی نوٹ چھاپ کر اپنے قرضوں کی ادائیگی کر دیں۔ اس طرح جب امریکہ کے ہاتھ میں دوسرے ملکوں کی کرنسی بھی آجائے گی تو امریکہ اس غیر ملکی کرنسی سے ان ملکوں کی حساس صنعتیں خرید کر ان ملکوں کو اپنی اقتصادی غلامی میں لے سکے گا۔ جو ایک طرح سے "نئے اقتصادی نو آبادیاتی نظام" کا فروغ ہو گا۔ اس سلسلہ میں John Tomlinson کی کتاب Honest Money کا خلاصہ بحث (Conclusion) ص ۱۱۵ تا ۱۱۹ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

امریکہ کے قرضوں کے بارے میں جو معلومات میں نے اوپر ذکر کی ہیں وہ بھی اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۱۲ سے حاصل کی گئی ہیں۔

اس صورتِ حال کا نقشہ پیش کر کے میں یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ دنیا بھر میں جہاں کہیں امن وامان خراب ہونے کی وجہ سے اقتصادی صورتِ حال پریشان کن ہوتی ہے، اس میں امریکہ کا ہاتھ ضرور ہوتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں کویت پر عراق کے قبضہ کی وجہ سے راتوں رات کویتی دینار بامِ عروج سے انتہائی حقارت کی حد تک جا پہنچا تھا وہاں ایک لبنانی لیرا جو ۱۹۷۰ء میں نصف امریکی ڈالر کے برابر تھا، ۱۹۸۷ء میں وہی امریکی ڈالر ۴۰۰ لبنانی لیرا کے برابر ہو گیا۔ یعنی ڈالر کی قیمت صرف ۲ سے ۴۰۰ گنا بڑھ گئی۔ پھر ۱۹۹۳ء میں ۱۰۰ ڈالر، پچاس ہزار لیرا کے برابر ہو گئے یعنی ایک لبنانی لیرا ڈالر کا پانچ سواں حصہ (1/500) رہ گیا۔ (ملاحظہ ہو کتاب قائدة المثلي والقيمي في الفقه الإسلامي ص ۱۲۵)

شریعت اسلامیہ ہر دم عدل وانصاف کا تقاضا کرتی ہے: پاکستانی روپے کے بارے میں بھی کچھ عرصہ قبل یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ بیس، بائیس سال کے وقفہ میں پاکستانی سو روپے کی قیمت صرف تین سے چار روپے پاکستانی کے برابر رہ گئی ہے۔ امر واقعہ یہی ہے جس کی بنا پر سوال پیدا ہوا کہ کرنسی کی اس تیز رفتاری سے گرتی ہوئی قیمت کی بنا پر ان ادائیگیوں کے بارے میں جو خوفناک افراطِ زر کا شکار ہوتی ہیں، شرع کیا حل پیش کرتی ہے؟ حقیقتِ واقعہ کو جھٹلایا نہیں جا سکتا اور شرع محمدی ﷺ کا عدل وانصاف کا پہلو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کیا یہ انصاف ہو گا کہ ایک عورت کو چالیس سال پہلے کا ۳۲ روپے ۶ آنہ کا مہر، چالیس سال بعد ۳۲ روپے ۶ آنہ ہی دیا جائے یا سترہ سال پہلے عدالت نے کفیل پر ایک بچہ کا جو ماہوار خرچ عائد کیا تھا وہ عدالت کے فیصلے کے مطابق زر کی اسی ظاہری قدر (Face Value) تک محدود رہے گا۔ یہ آخری مثال مجمع الفقه الاسلامي کے مجلّہ ج ۳ شمارہ ۳ کے ص ۱۶۷۹ پر دی گئی ہے...... ہماری رائے میں شریعت کی عمومی تعلیمات کی رو سے یہ بے انصافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے ضابطہ دیوانی میں اس پر برابر نظر ثانی کی گنجائش رکھی گئی ہے

(قاعدة المثلي والقيمي في الفقه الإسلامي ص ۱۳۰)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

مفہوم: "شرع کا مقصد "تمام معاہدات میں اصل انصاف ہے، کیونکہ رسولوں کی بعثت اسی غرض سے ہوئی اور تمام آسمانی کتابیں بھی اسی لیے اتاری گئیں۔" (فتاویٰ ۲۰ ص ۵۱۰)

اسی طرح فرماتے ہیں: "حاکم کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کے معاملات کی انجام دہی کے لیے کرنسی کو منصفانہ قیمت پر جاری کرے جس میں قطعاً ان پر ظلم نہ ہو۔ صاحبِ اقتدار کے لیے کرنسی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے حوالہ سے قطعاً تجارت روا نہیں۔" (مجموع الفتاویٰ: ج۲۹ر ص ۴۶۹)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے انصاف کے ضمن میں قرآنِ مجید میں وارد حضرت داودؑ اور حضرت سلیمانؑ کے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے۔ جس کے بارے میں حضرت سلیمانؑ کا فیصلہ حضرت داودؑ کے فیصلہ سے بہتر قرار دیا گیا تھا۔ قصہ یوں تھا کہ جب ایک شخص کی بکریوں نے دوسرے شخص کے کھیت کو تباہ کر دیا تو حضرت داودؑ کے پاس مقدمہ پیش ہوا۔ آپ نے کھیت کی تباہی کے پیش نظر بکریوں کی ایک بڑی تعداد کھیت والے کو ادا کرنے کا فیصلہ دیا۔ لیکن جب یہی معاملہ حضرت سلیمانؑ کے سامنے پیش ہوا تو انہوں نے فیصلہ میں یہ تبدیلی فرمائی کہ بکریاں اس وقت تک کھیت والے کے سپرد کر دی جائیں جب تک کہ کھیت دوبارہ اِسی حالت میں نہیں آجاتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کے فیصلہ کو بہتر قرار دیا ہے۔ کیونکہ وہ فیصلہ عدل اور حالات کے زیادہ مناسب تھا۔ (مجموع الفتاویٰ: ج۲۰، ص ۳۵۲)

ان تمام مثالوں سے مقصود یہ ہے کہ شریعت کا عمومی قاعدہ "عدل وانصاف" کا ہے جس کی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی۔

<u>افراطِ زر سے پیدا ہونے والے مسائل انسانوں کے بنائے نظاموں کی پیداوار ہیں:</u> ہمارے ہاں افراطِ زر کے حوالہ سے جن مسائل نے خوفناک شکل اختیار کی ہے۔ ہم اس گفتگو کے ذریعے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ افراطِ زر کی ان خرابیوں کا ذمہ دار شریعت کو نہیں ٹھہرایا جاسکتا ہے جیسا کہ ابھی امام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے حکام کے لیے پرزور ہدایت کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ بلکہ یہ تمام خرابیاں موجودہ مادّی نظاموں بالخصوص سرمایہ دارانہ نظام کی پیدا کردہ ہیں۔ چونکہ ہر نظام اپنی خرابیوں کا علاج اپنے مخصوص طریقہ سے کرتا ہے، اور سرمایہ دارانہ نظام ایک غیر متوازن طبقاتی نظام ہے، اس لیے اس نے اپنی پیدا کردہ معاشی ناہمواری کو دور کرنے کے لیے جو حل پیش کیے ہیں۔ وہ بھی اسی طرح کے غیر متوازن اور ظالمانہ ہیں۔ سرمایہ دارانہ نظام پانچ ستونوں پر قائم ہے: سود، ٹیکس، انشورنس، موجودہ بے اساس کرنسی اور انڈیکسیشن، اس نظام کا اگرچہ دعویٰ تو یہ ہے کہ یہ تمام ستون ایک دوسرے کا سہارا بن کر سرمایہ دارانہ نظام کی اس عمارت کو قائم رکھیں گے لیکن یہ صرف ایک سراب ہے جسے پانی سمجھ لیا گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کیا خوب کہا ہے ۔

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائیدار ہوگا

جن لوگوں نے افراطِ زر کا علاج انڈیکسیشن کے ذریعے یا سود کی شرح بڑھا کر کیا ہے، وہ ایک ظلم کا ظالمانہ حل ہی پیش کر رہے ہیں جسے اسلام ہرگز قبول نہیں کرسکتا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اگرچہ دورِ حاضر میں افراطِ زر کی تشویشناک صورتِ حال کی بڑی وجہ کرنسی کا بے بنیاد ہو جانا ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کی علمبردار سپریم پاور امریکہ کا ایک ڈیفالٹ Default ہے اور اس ڈیفالٹ کے واقعاتی اثرات کا اس وقت انکار بھی نہیں کیا جا سکتا تاہم سرمایہ دارانہ کرنسی سسٹم کی خرابیوں کا علاج اسی نظام کے طریقوں سے کرنے کا معنی یہ ہو گا کہ ہم سرمایہ داریت کے چکروں میں اُلجھتے ہی چلے جائیں۔ اس لئے میں مذکورہ ڈیفالٹ کے علاج سے قبل دو پہلو اُجاگر کرنا چاہتا ہوں

(i) یہ کہ اشاریہ بندی کرنسی کے اتار چڑھاؤ کا کوئی منصفانہ حل نہیں ہے

(ii) یہ کہ سود کا مشروط اضافہ اور اشاریہ بندی کا نام نہاد توازن دو بالکل مختلف چیزیں ہیں۔ ان کو آپس میں خلط ملط کرنا درست نہیں۔

(ا) اشاریہ بندی (Indexation) کوئی منصفانہ معیار نہیں رکھتی

اِشاریہ بندی ابھی تک مختلف ممالک میں تجرباتی مراحل سے گزر رہی ہے، اس لئے اسے مسلمات میں شمار کرنا زیادتی ہو گی۔ اسلامی نقطہ نظر سے بھی اس کے حق اور مخالفت میں بہت کچھ لکھا جا رہا ہے لیکن میں سطورِ ذیل میں صرف چند ایسے بڑے نکات دینا چاہتا ہوں جس سے اندازہ ہو سکے کہ اشاریہ بندی (Indexation) کوئی منصفانہ معیارات نہیں رکھتی۔

(i) اشاریہ بندی کرتے وقت جن اشیا کو بنیاد بنا کر صارف کی ٹوکری (Consumer's Basket) قرار دیا جاتا ہے۔ ان اشیاء کے تعین کے اعتبار سے مختلف اَشخاص کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض اشیاء دوسروں کی نسبت بعض کے نزدیک زیادہ اہم ہوتی ہیں۔ چنانچہ اشیاء کو اہمیت کے اعتبار سے کوئی حتمی وزن (Weight of Commodity) دینا مشکل اَمر ہے۔ اسی طرح ان اشیاء کے اعتبار سے تمام اشخاص کی ضروریات بھی یکساں نہیں ہوتیں لہٰذا یہ کہنا درست ہو گا کہ صارف کی ٹوکری میں شامل اشیاء کے اصطلاحی 'وزن' سے ترتیب پانے والی اشاریہ بندی کا اصول کوئی منصفانہ طریقہ کار نہیں ہے۔

(ii) اشاریہ بندی کے استعمال کا مشورہ عموماً افراطِ زر کے علاج کے طور پر تو دیا جاتا ہے لیکن تفریطِ زر کے لئے نہیں حالانکہ انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ اسے بطورِ اُصول دونوں صورتوں پر لاگو کیا جائے۔ علاوہ ازیں بنک کے قرضوں کی ادائیگی کے لئے تو اسے تجویز کیا جاتا ہے لیکن کرنسی کے اُدھار، لین دین کے دیگر تمام معاملات میں ایسے توازن کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ محفوظ پڑی کرنسی پر تو اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(iii) حکومتیں عموماً اشاریے' اپنے مخصوص مفادات کے تحت بناتی ہیں اور اشاریہ میں اشیاء کا اندراج اور وزن اس انداز سے کرتی ہیں کہ قیمتوں میں استحکام کا تاثر سامنے آئے۔ اس طرح کی اشاریہ بندی غیر معیاری اور غیر منصفانہ ہی ہو گی۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو Indexation of Financial Assets از ڈاکٹر حسن الزماں)

(۲) سود کا مشروط اضافہ اور اشاریہ بندی کا توازن دو مختلف اُصول ہیں

چونکہ لوگوں کو اپنی بچتیں بنک میں جمع کرانے کی ترغیب دینے کے لیے بہت سے بنک شرحِ سود کی کمی بیشی کا طریقہ کار بھی اپناتے ہیں اور اس طرح اپنی کارگزاری کو فروغ دیتے ہیں جسے بعض سود پرست لوگ "افراطِ زر کے باعث ادائیگیوں کا توازن درست کرنے کی صورت" سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس سے یہ تاثر اُبھرا ہے کہ اشاریہ بندی اور سود کی شرح میں اضافہ کے بعض عوامل یکساں ہیں چنانچہ یہ باور کر لیا گیا ہے کہ اشاریہ بندی اور سود کافی حد تک مشابہ اِقدام ہیں۔ اس حد تک یہ بات غلط بھی نہیں کہ دونوں سرمایہ دارانہ معاشی نظام کے کل پرزے ہیں لیکن دونوں کافی حد تک مختلف بھی ہیں۔ میں ان کے چند نمایاں فرق واضح کرنے کی کوشش کروں گا :

(i) اشاریہ بندی اشیاء وخدمات کی قیمتوں کے اُتار چڑھاؤ کے اعتبار سے کرنسی کی ظاہری قیمت (Face Value) اور حقیقی قیمت (Real Value) کے نمایاں فرق کو متوازن بنانے کا ایک طریق کار ہے۔ عموماً اس کا استعمال بھی اُجرتوں اور ادائیگیوں میں اضافہ کی صورت ہوتا ہے لیکن واضح رہے کہ یہ اضافہ تخمینی ہونے کے علاوہ حالات کے رحم و کرم پر ہوتا ہے جبکہ سود حالات سے قطع نظر اضافہ کا صرف مشروط معاہدہ ہے جس کا نہ صرف افراطِ زر اور تفریطِ زر کے حالات سے کوئی تعلق نہیں بلکہ معاشی اُتار چڑھاؤ سے قطع نظر معاہدہ کی بنا پر یہ ایک لازمی اضافہ ہوتا ہے۔

(ii) سود معاشی ناہمواری سے قبل ہی ایک طے شدہ اضافہ کا معاہدہ ہوتا ہے لیکن اشاریہ بندی بعد میں پیش آنے والے حالات کے جائزہ پر مبنی توازن پیدا کرنے کا طریق کار ہے یعنی سود کا مقصد صرف حرص کی بنا پر یک طرفہ طور پر سرمایہ کا تحفظ واضافہ کرنا ہوتا ہے جبکہ اشاریہ بندی بعد میں پیش آنے والے حالات میں توازن کا ایک تخمینی عمل ہے۔ گویا سود کا تعلق خالص انسانی معاہدوں سے ہے جبکہ اشاریہ بندی زیادہ تر قدرتی حالات کے نتیجہ میں علاج کے طور پر اختیار کی جاتی ہے۔ چنانچہ سود کی ذمہ داری صرف معاہدہ کرنے والے انسان پر عائد ہوتی ہے جبکہ اشاریہ بندی کا محرک بعد میں پیش آمدہ حالات ہوتے ہیں۔ لہٰذا سود اور اشاریہ بندی متقابلات سے ہیں۔ دونوں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کے کردار کا اسی طرح فرق ہے جس طرح ربانی افعال موت، بیماری وغیرہ کا حکم انسانی افعال قتل اور زیادتی وغیرہ سے مختلف ہوتا ہے کہ جرم کا اطلاق صرف انسانی کردار پر ہوتا ہے۔

(iii) جب دو طرزِ عمل دو مختلف میدانوں سے متعلق ہوں تو "اصولِ فقہ" کی رو سے دونوں کا آپس میں قیاس نہیں ہو سکتا۔

فقه الأحكام

اگرچہ کرنسی بے بنیاد تو ماضی قریب میں ہوئی ہے تاہم افراطِ زر کا شرعی حل تلاش کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کرنسی کے اتار چڑھاؤ کے بارے میں کتاب و سنت اور فقہی مصادر سے ملتی جلتی ایسی صورتوں کا مطالعہ کیا جائے تاکہ ان کی روشنی میں ہم جدید درپیش مسائل کا حل معلوم کر سکیں۔ اس سلسلہ میں ہمیں پہلے یہ جائزہ لینا ہے کہ کرنسی کی قیمت گرنے (کرنسی کی قوتِ خرید کم ہونے) کی صورت میں شریعت کرنسی کی صرف ظاہری قیمت (Face Value) ہی دیکھتی ہے یا اس کی حقیقی قیمت (Real Value) کا بھی لحاظ رکھتی ہے۔

میں نے سب سے پہلے قرآنِ کریم سے کرنسی کے اُتار چڑھاؤ کا مطالعہ شروع کیا تو مجھے سورۂ یوسف میں پانچ جگہ بضاعة (Commodity) کا ذکر ملا جن میں سے دو جگہ بالخصوص جدید معاشیات کے سلسلہ میں ہماری رہنمائی کرتی ہیں:

(۱) ﴿وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ. وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ﴾ (سورۂ یوسف:۱۲/۱۹،۲۰)

"اور ایک قافلہ آیا اور اس نے اپنے پانی لانے والے کو بھیجا۔ اس نے اپنا ڈول لٹکا دیا، کہنے لگا: واہ! واہ! خوشی کی بات ہے، یہ تو ایک لڑکا ہے۔ انہوں (قافلہ والوں) نے اسے قیمتی چیز جان کر چھپا لیا اور اللہ اس سے جو وہ کر رہے تھے باخبر تھا۔ اور انہوں (برادرانِ یوسف) نے اسے کٹوتی شدہ (Taxed) قیمت پر گنتی کے درہموں پر بیچ دیا کیونکہ وہ یوسفؑ کے بارے میں بے رغبت تھے۔"

قصہ مختصر کہ جب قافلہ والوں کو پانی کی تلاش میں یوسفؑ ہاتھ آئے تو انہوں نے انہیں قیمتی چیز سمجھ کر چھپا لیا کہ غلام کی صورت بیچ کر معقول رقم حاصل کریں گے مگر یوسفؑ کے بھائی جو برابر حالات کی نگرانی کر رہے تھے وہ موقع پر آدھمکے اور انہوں نے اجنبی قافلہ کو ڈرایا کہ وہ ان کا غلام لے کر کہاں جا رہے ہیں؟ اگرچہ انہیں یوسفؑ سے کوئی دلچسپی نہ تھی تاہم قافلہ والوں کی گھبراہٹ سے فائدہ اٹھا کر وہ

www.KitaboSunnat.com

کچھ نہ کچھ وصول کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ گویا اس طرح یوسفؑ کی قیمت انہیں معمولی بیس تیس (۲۰،۳۰) درہم وصول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اسی واقعہ کی تعبیر کے لئے ﴿ثَمَنٍ بَخْسٍ﴾ کا لفظ استعمال کیا ہے جو ایسے مول کو کہتے ہیں جس پر ٹیکس وصول کیا گیا ہو۔ یہ عمل مروّجہ سیل ٹیکس (Sale Tax) کے مشابہ ہے۔ اس آیت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مصر وشام میں دراہم کا استعمال محمد ﷺ سے کئی ہزار سال قبل موجود تھا۔ یہ دور صرف Barter System کا نہ تھا۔

(۲) ﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَاأَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ﴾ (سورۂ یوسف ۱۲/۸۸)

"پھر جب یہ لوگ (یوسف کے بھائی) ان کے پاس پہنچے تو کہنے لگے: اے عزیز! ہم اور ہمارا خاندان دکھ میں مبتلا ہیں اس لئے ہم "گری ہوئی قیمت" لے کر آئے ہیں لیکن آپ ہمیں غلہ کا پیمانہ پورا دیجئے جو آپ کی طرف سے ہم پر صدقہ ہوگا۔ بلاشبہ اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے"

اس آیت کریمہ میں ہمارا محل شاہد ﴿بِضَاعَةٍ مُزْجَاةٍ﴾ [5] کا لفظ ہے۔

اس لفظ کی تشریح قاضی شوکانیؒ کی تفسیر فتح القدیر میں ملاحظہ کریں جو امام قرطبیؒ کی مایہ ناز تفسیر الجامع لأحکام القرآن کا ملخص ہے: (فتح القدیر، ج ۳/۵۱)

"وأخرج ابن جرير وابن أبي حاتم عن ابن عباس في قوله (ببضاعة) قال: دراهم (مزجاة) قال: كاسدة...... وأخرج أبوعبيد وابن أبي شيبة وابن جرير و ابن المنذر و ابن أبي حاتم و أبوالشيخ عنه أيضا (مزجاة) قال: الورق الزيوف التي لا تنفق حتى يوضع منها"

معروف مفسرین ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے بضاعة مزجاة کی تفسیر (رواج کی کمی کی وجہ سے) گری ہوئی قیمت والے درہموں سے کی۔ اسی طرح ابو عبید قاسم بن سلام (جو حدیث و تفسیر، عربی اَدب کے امام ہونے کے علاوہ علم معاشیات کی خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔ ان کی اسلامی اقتصادیات کے موضوع پر مایہ ناز کتاب الاموال، عربی کے علاوہ دوسری زبانوں میں بھی ترجمہ ہوچکی ہے) ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن

---

(۵) مُزْجَاةٍ کا اصل مادہ ز ج و ہے۔ قرآن کریم میں سورۂ یوسف کے علاوہ دو جگہ مزید اس مادہ کا استعمال ہوا ہے:

(i) سورۃ النور ۲۴/۴۳ میں ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ.....الاية﴾ "کیا دیکھتے تو، اللہ تعالیٰ بادلوں کو دھیرے دھیرے چلاتا ہے پھر انہیں ملا کر تہ بہ تہ ڈھیر بنا دیتا ہے کہ آپ اسکے درمیان سے برتی بارش دیکھتے ہیں۔"

اس آیت میں يُزْجِي کے معنی آہستہ آہستہ چلانے کے ہیں جس سے یہ بادل اکٹھے ہو کر ٹھنڈے ہوئے جاتے ہیں۔

(ii) سورۂ بنی اسرائیل ۱۷/۶۶ میں ہے ﴿رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ......الاية﴾

"تمہارا رب وہی ہے جو کشتیوں کو سمندر میں ہانکتا ہے۔ تاکہ تم اس کا فضل (رزق) تلاش کرو"

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

منذر، ابو الشیخ جیسے نامور محدثین ومفسرین بھی حضرت ابن عباسؓ سے مزجاۃ کی تفسیر نقل کرتے ہیں
"وہ پونجی ایسی کھوٹی چاندی تھی جس کی قیمت کم کیے بغیر اس کا بازار میں چلن نہ ہو سکتا تھا"

حضرت ابن عباسؓ سے منقول دونوں تفاسیر کا حاصل یہ ہے کہ وہ دراہم چاندی کے کھوٹ کی وجہ سے بازار میں چلنے کے قابل نہ تھے جب تک کہ ان کی قیمت کم نہ کردی جائے۔

قرآن کریم میں کرنسی کی قوتِ خرید میں کمی کی یہ اچھی مثال ہے۔ آج کی کرنسی سے صرف اتنا فرق ہے کہ ان دنوں کرنسی کی اصل بنیاد سونا یا چاندی ہوتی تھی اور آج کی کرنسی بے بنیاد ہے، تاہم کرنسی کی قوتِ خرید میں کمی کا واقع ہونا دونوں صورتوں میں موجود ہے جو ہمارا اصل موضوع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کم قیمت کرنسی (Devaluated Currency) کے بدلے غلہ کی پوری پیمائش کو برادرانِ یوسفؑ صدقہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر قیمت کم ہو اور مال پورا تو کم قیمت کے مقابلہ میں پورے مال کا اضافہ صدقہ ہی ہوگا۔

یہ افراطِ زر سے ملتی جلتی صورت ہے۔ اس سے یہ بھی حاصل ہوا کہ افراطِ زر کی صورت میں اس کا پورا بدل رمعاوضہ صدقہ ہوتا ہے جو لازمی نہیں بلکہ احسان فی سبیل اللہ کی شکل ہے۔

سنت کی روشنی میں

"عن ابن عمرؓ قال: قلت یارسول الله، إنی أبیع الإبل بالبقیع، فأبیع بالدنانیر وآخذ الدراهم، و أبیع بالدراهم و آخذ الدنانیر آخذ هذا من هذه و أعطی هذه من هذا، فقال رسول الله ﷺ " لا بأس أن تاخذها بسعر یومها مالم تفترقا و بینکما شیئ رواه الخمسة وصححه الحاکم (بحوالہ سبل السلام شرح بلوغ المرام ج ۳ ص ۸۱۲)

"حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں: میں بقیع کے مقام پر اونٹ بیچا کرتا تھا تو کبھی میں دیناروں میں بھاؤ کر کے اونٹ بیچتا لیکن وصولی دراہم میں کرتا اور کبھی دراہم میں بھاؤ طے کر کے وصولی دیناروں میں کرتا۔ اس طرح درہم و دینار کا آپس میں بھی تبادلہ ہو جاتا۔ ایک مرتبہ میں حضور ﷺ کے پاس حضرت حفصہؓ کے گھر آیا اور آپؐ سے درہم کے بجائے دینار اور دینار کے بجائے درہم کے تبادلہ کی بابت پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح کے معاملہ میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ درہم و دینار کا باہمی تبادلہ، تبادلہ والے دن کے بھاؤ پر ہو اور تمام لین دین مکمل کیے بغیر جدائی نہ ہو۔" (سنن ابوداؤد: ج ۳ ص ۲۵۰ ...... حدیث نمبر ۲۳۵۴)

صورتِ مسئولہ میں محل شاہد درہم کے بدلے دینار اور دینار کے بدلے درہم کا تبادلہ ہے۔

اگرچہ حدیث میں اس امر کی صراحت نہیں کہ درہم و دینار کا تبادلہ اور اونٹوں کی خرید و فروخت کا معاملہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ایک ہی وقت میں ہوتا یا مختلف اوقات میں، تاہم یہ بات واضح ہے کہ بھاؤ میں طے شدہ درہم و دینار کا باہمی ریٹ اگر ادائیگی کے وقت بدل جائے تو تبادلہ کے وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا، درہم و دینار کا باہمی ریٹ عدد کے اعتبار سے معتبر نہ ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ تبادلہ کرنسی کے معاملات میں عدد (گنتی) اصل نہیں بلکہ قیمت ہے کیونکہ کرنسی قیمت کا بدل (قائم مقام) ہوتی ہے۔ کسی بھی تبدیلی کی صورت میں اصل کا لحاظ رکھا جانا ضروری ہے۔

ائمہ فقہاء کی نظر

اس بات کی تائید امام مالکؒ نے بھی کی ہے کہ کرنسی میں اصل اعتبار کرنسی کے عدد کا نہیں ہوتا بلکہ وزن اور قیمت کا ہوتا ہے: (بحوالہ مؤطا امام مالکؒ مترجم: ج ۲ / ص ۱۸۶، ۱۸۷)

"قال مالك، الأمر عندنا فى بيع الذهب بالذهب، والورق بالورق، مراطلة: أنه لابأس بذلك، أن يأخذ أحد عشر دينارا بعشرة دنانير يدا بيد إذا كان وزن الذهبين سواء عينا بعين وإن تفاضل العدد. والدراهم أيضا فى ذلك بمنزلة الدنانير"

"کہا امام مالکؒ نے کہ جو شخص سونے کو سونے کے بدلے تول کر بیچے تو کچھ قباحت نہیں اگرچہ ایک پلڑے میں گیارہ دینار چڑھیں اور دوسری طرف دس دینار جب نقد و نقد ہوں اور وزن برابر ہو اگرچہ شمار میں کم زیادہ ہوں۔ ایسا ہی حکم دراہم کا ہے۔"

گنتی کے بجائے وزن کا لحاظ قیمت ہی کی وجہ سے ہے، اس کی صراحت امام مالکؒ نے یوں کی ہے:

"قال مالك: السنة التى لا اختلاف فيها عندنا ،أن الزكاة تجب فى عشرين دينارا عينا كما تجب فى مائتى درهم......قال مالك: ليس فى عشرين دينارا، ناقصة بينة النقصان زكاة فان زادت حتى تبلغ بزيادتها عشرين دينارا وازنة ففيها الزكاة وليس فيما دون عشرين دينارا عينا الزكاة وليس فى مأتى درهم، ناقصة بينة النقصان زكاة فان زادت حتى تبلغ بزيادتها مأتى درهم وافية ففيها الزكاة. فان كانت تجوز بجواز الوازنة رأيت فيها الزكاة، دنانير كانت أودراهم......قال مالك: فى رجل كانت عنده ستون و مائة درهم وازنة و صرف الدراهم ببلده ثمانية دراهم بدينار أنها لا تجب فيها الزكاة وانما تجب الزكاة فى عشرين دينارا عينا أو مائتى درهم"

"امام مالکؒ نے کہا کہ ہمارے نزدیک سنت اتفاقی یہ ہے کہ زکوٰۃ جیسے دو سو درہم میں واجب ہوتی ہے ویسا ہی سونا کے بیس دینار میں واجب ہوتی ہے"......

امام مالکؒ نے کہا: "اگر بیس دینار اس قدر وزن میں ہلکے ہوں کہ ان کی قیمت پوری بیس

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دینار کو نہ پہنچے تو اس میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اگر بیس سے زیادہ ہوں اور قیمت ان کی پورے بیس دینار کی ہو تو اس میں زکوٰۃ واجب ہے اور بیس دینار سے کم میں زکوٰۃ نہیں ہے"......

امام مالکؒ نے کہا: "اسی طرح اگر دو سو درہم اسی وزن میں کم ہوں کہ ان کی قیمت پورے دو سو درہم کو نہ پہنچے تو ان میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔ البتہ اگر دو سو سے زیادہ ہوں اور پورے پورے دو سو درہموں کے برابر ہو جائیں تو زکوٰۃ واجب ہے لیکن اگر یہ درہم اور دینار جو وزن میں ملکے ہوں پورے دینار اور درہم کے برابر چلتے ہوں تو ان میں زکوٰۃ واجب ہے"......

امام مالکؒ نے کہا: "ایک شخص کے پاس ایک سو ساٹھ درہم پورے ہیں اور اس کے شہر میں آٹھ درہم کا ایک دینار ملتا ہے تو زکوٰۃ واجب نہ ہو گی (اگرچہ ایک سو ساٹھ درہم کے بحساب اس نرخ کے بیس دینار ہو گئے) کیونکہ زکوٰۃ جب واجب ہوتی ہے جب اس کے پاس بیس دینار یا دو سو درہم موجود ہوں" (بحوالہ مؤطا مالک مترجم، کتاب الزکوٰۃ، ج ۱ ص ۳۲۵ و ۳۲۷، ۳۲۸)

کرنسی میں قیمت کی اہمیت کے لئے آخری نشان زدہ عبارت خصوصی طور پر قابل توجہ ہے۔

ہماری یہ گفتگو کرنسی کے بارے میں نظریہ بدل (قائم مقام) کے تحت ہو رہی ہے لیکن اسلامی قرونِ وسطیٰ میں درہم دینار سے ملحق ایک ذیلی کرنسی فُلُوس نامی بھی چلتی رہی ہے۔ بعض حضرات حالیہ کرنسی نوٹ کو بھی فُلُوس (معدنی سکوں) سے وابستہ کرتے ہیں لہٰذا مناسب ہو گا کہ اس نکتہ نظر کے تحت بھی کرنسی کی بحث کر لی جائے لیکن یہ نکتہ یاد رہے کہ فقہ اسلامی کا یہ مسئلہ "کرنسی کی گنتی معتبر ہے یا اس کی قیمت" کے گرد گھومتا ہے......

کرنسی کی گنتی معتبر ہے یا اس کی قیمت؟ فلوس کے بارے میں جب فلوس کا استعمال گھٹ جائے یا بالکل ختم ہو جائے تو ائمہ فقہاء کی ایک بحث سے مذکورہ بالا نکتہ کے سلسلہ میں استفادہ کیا جا سکتا ہے وہ بحث ابن عابدین شامیؒ تنبیه الرقود علی مسائل النقود ج ۲ / ص ۶۰، ۶۳ میں یوں فرماتے ہیں

وفي المنتقى إذا غلت الفلوس قبل القبض أو رخصت، قال أبويوسف قولي وقول أبي حنيفة في ذلك سواء وليس له غيرها ثم رجع أبويوسف وقال عليه قيمتها من الدراهم يوم وقع البيع و يوم وقع القبض" (بحوالہ فقہی مقالات از جسٹس محمد تقی عثمانی ص ۶۵، ۶۶)

"منتقی میں ہے کہ (کسی چیز کو بیچنے کے بعد اس کی) قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے اگر فلوس کے سکوں کے دام زیادہ ہو جائیں یا کم ہو جائیں، تو امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں میرا اور امام ابو حنیفہؒ کا ایک ہی قول ہے کہ اس بائع کو ان مقررہ فلوس کے علاوہ اور کچھ نہیں ملے گا۔ لیکن پھر امام ابو یوسفؒ نے اپنے اس قول سے رجوع کرتے ہوئے فرمایا: اس مشتری پر فلوس کی وہ قیمت ادا کرنی ضروری ہے جو قیمت دراہم کی نسبت سے بیع کے دن اور قبضہ کے دن تھی"

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پھر تمرتاشیؒ سے ان کا قول نقل کیا ہے:

"وفي البزازية معزيا إلى المنتقىٰ: غلتِ الفلوس أو رَخُصَت، فعند الإمام الأول (أي أبي حنيفة) والثاني (أي أبي يوسف) أوّلاً: ليس عليه غيرها، وقال الثاني (أي أبي يوسف) ثانيًا: عليه قيمتها من الدراهم يوم البيع والقبض، وعليه الفتوىٰ"

"اور بزازیہ میں منتقی کی طرف نسبت کرتے ہوئے نقل کرتے ہیں: فلوس کی قیمت زیادہ ہو جائے یا کم ہو جائے، امامِ اوّل (یعنی امام ابو حنیفہؒ) اور امامِ ثانی (یعنی امام ابو یوسفؒ) کا پہلا قول یہ ہے کہ مشتری پر ان مقررہ فلوس کے علاوہ اور کچھ واجب نہیں، اور امامِ ثانی (یعنی امام ابو یوسفؒ) کا دوسرا قول یہ ہے کہ: مشتری کے ذمہ فلوس کی وہ قیمت واجب ُالادا ہے جو بیع اور قبضہ کے دن تھی، اور اسی پر فتویٰ ہے"

"هكذا في الذخيرة والخلاصة بالعزو إلى المنتقىٰ، وقد نقله شيخنا في بحره وأقرّه، فحيث صرح بأن الفتوىٰ عليه في كثير من المعتبرات، فيجب أن يعول عليه افتاء و قضاء"

"ذخیرہ اور خلاصہ میں بھی، اسی طرح منتقیٰ کی طرف منسوب ہے اور اسی بات کو ہمارے شیخ نے بحر میں بھی اسی طرح نقل کر کے اس کی توثیق کی ہے۔ اس طرح یہ بات واضح ہو گئی کہ بہت سے اہم معاملات میں اسی پر فتویٰ ہے۔ لہٰذا فتویٰ دینے اور فیصلہ کرنے میں اس قول پر اعتماد اور بھروسہ ضروری ہے۔"

اگرچہ ابن عابدین شامیؒ نے یہ بحث فلوس کی قیمت میں کمی بیشی کے بارے میں کی ہے اور انہوں نے قیمت کا لحاظ رکھنے کی رائے کو بھی حنفی مذہب کے فتویٰ کی بنا پر ہی ترجیح دی ہے اور اس بارے میں میری تحقیق بھی یہی ہے لیکن یہ وضاحت مناسب ہو گی کہ ائمہ فقہاء (متقدمین) کا یہ اختلاف فُلوس کے استعمال گھٹ جانے (جسے کَسَاد کہتے ہیں) یا بالکل ختم ہو جانے (جسے انقطاع کہتے ہیں) کی صورت میں ہے۔ چونکہ اصل نکتہ 'ظاہر کرنسی' کے بجائے 'کرنسی کی قیمت' معتبر ہونے کا ہے اس لئے انہوں نے کساد اور انقطاع فلوس پر مبنی اختلافِ ائمہ کو کرنسی کی قیمت کے گھٹنے اور بڑھنے پر ہی محمول کر دیا ہے لیکن موجودہ صورتِ حال میں کرنسی کا کساد یا انقطاع مخصوص اوقات میں ہونے کے بجائے مسلسل قیمتیں گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں اور جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بسا اوقات افراطِ زر اور Devaluation کی خوفناک صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس مشکل کو حل کرنے کے لئے مجھے مجمع الفقه الاسلامي، جدہ کے رکن ڈاکٹر نزیہ کمال حماد کی رائے زیادہ پسند ہے جو انہوں نے اپنے مقالہ مطبوعہ مجلة مجمع الفقه الاسلامی ج ۳ عدد ۳، ص ۱۶۵۵ تا ۱۶۷۹ میں اختیار کی ہے:

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

"والقول الثالث وجه عند المالكية، وهو أنّ التغير إذا كان فاحشا فيجب أداء قيمة النقد الذي طرأ عليه الغلاء أو الرخص، اما إذا لم يكن فاحشا فالمثل"

"تیسرا قول یہ ہے جو مالکیہ کا اختیار کردہ ہے، جب کرنسی کی قیمت میں کمی بیشی بہت زیادہ ہو تو جس کرنسی کو یہ معاملہ درپیش ہو اس کی قیمت ادا کرنی ضروری ہوگی اور اگر خوفناک صورت حال نہ ہو تو پھر کرنسی میں برابر گنتی کا اعتبار ہوگا" (ایضاً، ص ۱۶۷ بحوالہ حاشیۃ المدنی ج ۵ ص ۱۱۸)

آگے لکھتے ہیں:

"والثاني: أن التغير اليسير مغتفر تفريعا على القاعدة الفقهية الكلية (ما قارب الشيئ يعطي حكمه) بخلاف التغير الفاحش، فإن الضرر فيه بيّن والجور فيه محقق (بحوالہ ایضاح المسالک الی قواعد الامام مالکؒ للونشریسی: ۱۷۰/ المنثور فی القواعد للزرکشی، ج ۳ ص ۱۴۳)

"(کرنسی کی معمولی کمی بیشی دو وجہ سے معتبر نہیں) دوسری وجہ یہ ہے کہ معمولی کمی بیشی اس کلی فقہی ضابطہ (Legal Maxim) کی بنا پر نظر انداز کردی جائے کیونکہ "کسی شے کے قریبی کے لئے اسی شے کا حکم لاگو ہوتا ہے" البتہ نمایاں کمی بیشی کو نظر انداز کرنے میں (کسی ایک جانب کا) نقصان واضح ہے اور (اسی طرح) ظلم ثابت شدہ اَمر ہے۔"

مقصد یہ ہے کہ معمولی لین دین پر بھی اگرچہ کرنسی کا مسلسل اُتار چڑھاؤ اثر انداز ہوتا ہے لیکن اسے مذکورہ بالا ضابطہ کے مد نظر نظر انداز کردیا جائے......

دورِ حاضر کے مذکورہ مسئلہ میں رہنمائی کے لئے فقہی سرمایہ سے استفادہ کے لئے ہم نے اپنے سامنے دو نکات رکھے ہیں:

(۱) کرنسی کے بارے میں مختلف نظریات کا جائزہ...... کرنسی کے ارتقائی مراحل کی روشنی میں

(۲) تبادلہ اشیاء میں مثلی (ظاہری مقدار) اور قیمی (اصل قدر و قیمت) کی بحث بالخصوص مثلی اشیاء بھی کب قیمی بن جاتی ہیں؟

پہلے نکتہ کے بارے میں مستقل تصنیف الورق النقدي: حقيقته، تاريخه، حكمته از جسٹس عبداللہ سلیمان منیع جس کا اردو ترجمہ "کاغذی کرنسی کی تاریخ، ارتقاء، شرعی حیثیت" بھی مطبوعہ ہے اور دوسرے نکتہ کے بارے میں قاعدة المثلي والقيمي في الفقه الاسلامي واثرها على الحقوق والالتزامات مع تطبيق معاصر على نقودنا الورقية از ڈاکٹر علی محی الدین علی القرہ داغی...... علاوہ ازیں شریعت کالج، قطر یونیورسٹی اور اس موضوع کے مجموعی احاطہ کے لیے المعهد العالمی للفکر الاسلامي مصر نے اسلامی اقتصادیات پر جو وقیع سلسلہ تصانیف تیار کیا ہے اس کی مکمل پینتیسویں (۳۵)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جلد تغير القيمة الشرائية للنقود الورقية (کاغذی کرنسی کی قوتِ خرید میں تغیر و تبدل) از پروفیسر ڈاکٹر ہایل عبدالحفیظ یوسف داود قابل مطالعہ ہیں۔

عربی زبان میں ان موضوعات پر جدید حالات کے پیش نظر بیش بہا لٹریچر معرضِ وجود میں آچکا ہے لیکن اردو اور انگریزی میں فی الحال بہت کچھ نہیں لکھا جاسکا۔ چند ایک مقالوں یا مختصر کتابوں میں اسلامی اقتصادیات اور بینکاری کے موضوعات کے ضمن میں ایسے نکات بھی زیر بحث آگئے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ادارہ تحقیقاتِ اسلامی کے سہ ماہی مجلّہ فکر و نظر، اسلام آباد کے چند شماروں میں اس موضوع پر شاہ محی الدین ہاشمی اور ڈاکٹر طاہر منصوری کے مابین ایک مباحثہ شائع ہوتا رہا جن میں شاہ محی الدین ہاشمی کا موقف افراطِ زر کی واقعاتی صورتِ حال کے مد نظر مثلی اور قیمی کی بحث زوردار ہے اگرچہ ان پر اشاریہ بندی (Indexation) کے خلاف ڈاکٹر طاہر منصوری کا تعاقب بھی وزنی ہے۔ یہ بحث فکر و نظر کے ۱۹۹۵ء کے چاروں شماروں اور سال ۱۹۹۶ء کے سہ ماہی شمارہ اپریل تا جون میں شائع ہوئی پھر جناب ڈاکٹر طاہر منصوری کی (Indexation) کی کمزوریوں پر مشتمل بحث کا خلاصہ ادارۂ تحقیقات اسلامی کے انگریزی سہ ماہی مجلّہ Islamic Studies شمارہ جولائی تا ستمبر ۱۹۹۸ء صفحات ۱۰۳ تا ۱۱۶ میں بھی دیا گیا۔

کرنسی کو کسی جنس (Commodity) سے وابستہ کیا جائے !

کرنسی کے بارے میں ہمارے فقہاء کے نظریاتی اختلاف کی ایک بڑی وجہ خود کرنسی کا مختلف اَدوار میں مختلف حیثیتیں اختیار کرنا بھی ہے۔ ان ارتقائی مراحل کو پیش نظر رکھا جائے تو وجہ اختلاف کھل کر سامنے آتی ہے تاہم اب کرنسی کا کسی (Commodity) سے کٹ کر بے بنیاد ہو جانا ارتقاء نہیں بلکہ واضح ڈیفالٹ ہے۔ اس لئے اس غلط اقدام کو تسلیم کرکے ظلم کا دروازہ کھولنے کے بجائے ہمارا قدم اس کی اصلاح کی طرف اُٹھنا چاہئے اور اس کے لئے میری تجویز یہ ہے کہ کرنسی کے تبادلہ میں کرنسی کو کسی (Commodity) سے وابستہ کرلیا جائے جس طرح ہمارے ہاں دانا لوگ نکاح کے وقت فارم میں مہر کا اندراج کرتے وقت زیور (سونا) کی مقدار مقرر کرکے اس وقت کی قیمت بھی لکھ دیتے ہیں گویا اصل مہر وہ سونا ہوتا ہے نہ کہ اس کی اس وقت کی قیمت۔

اسلامی نظریاتی کونسل اور مولانا غلام رسول سعیدی نے کرنسی کو سونا سے وابستہ کرنے کی تجویز دی ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں شریعت کے بعض معاملات سے رہنمائی ملتی ہے۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے قتل خطا یا شبہ عمد کی دیت میں اونٹ کو بنیاد بنایا ہے کیونکہ اس دور میں عربوں کے ہاں 'اونٹ' ایک مستحکم

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حیثیت کے حامل تھے لہٰذا تاوان میں انہیں خصوصی طور پر ملحوظ رکھا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ کرنسی کی قدر و قیمت کے معاملہ میں اسی (Commodity) کو بنیاد بنانا چاہیے جو زیادہ مستحکم ہو۔ اگر Money کے خصائص دیکھے جائیں تو یہی اصول مناسب معلوم ہوتا ہے:

Money has functions four: Mean, Measure, Standard & Store.

اس رائے پر عموماً جو اعتراض کیا جاتا ہے، ذیل میں ہم اس کی وضاحت پیش کرتے ہیں

اعتراض: کرنسی کو لین دین میں سونا سے وابستہ کر کے کرنسی کی کمی بیشی کا مسئلہ 'حیلہ' شمار ہوگا جو شریعت میں منع ہے۔

جواب: کسی مقصد تک پہنچنے کی خفیہ تدبیر کو حیلہ کہتے ہیں (امام راغبؒ)...... حیلہ خفیہ ہونے کی بنا پر اکثر مذموم ہوتا ہے لیکن اسکی مدحت و مذمت کے لئے اصل معیار شرعی مقصد اور مصلحت ہے۔ اگر کسی غلط کام کو صحیح کرنے کیلئے حیلہ کیا جائے تو حیلہ مذموم نہیں ہوتا، جیسا کہ ان مثالوں سے ظاہر ہے:

(۱) جس طرح حضرت ایوبؑ نے اپنی بیوی کو سو چھڑیاں مارنے کی قسم کھائی تھی تو اللہ کی طرف سے انہیں یہ حیلہ اختیار کرنے کی ہدایت ہوئی کہ ایک جھاڑو میں سو تنکے اکٹھے کر کے قسم پوری کر لی جائے۔ قرآن میں اس کا ذکر موجود ہے: ﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِب بِهِ وَلَا تَحْنَثْ﴾ (سورۂ ص:۳۸/۴۴)

"اور اپنے ہاتھ میں تنکوں کا ایک مٹھا (جھاڑو) لے کر مار لے اور قسم نہ توڑ"

(۲) ہجرت کی طاقت نہ رکھنے والے کمزوروں کو اللہ تعالیٰ نے معافی دیتے ہوئے فرمایا:

﴿إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا﴾

"مگر جو مرد، عورتیں اور بچے بے بس ہیں جنہیں نہ تو کسی چارہ کار (حیلہ) کی طاقت ہے اور نہ کوئی اور راہ پاتے ہیں" (سورۃ النساء:۴/۹۹)

(۳) کرنسی کا کرنسی سے گنتی کی کمی بیشی کی صورت میں تبادلہ اگرچہ ظاہری طور پر ربوا لفضل نظر آتا ہے جو حرام ہے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ نے خود بہتر اور ردّی کھجور کی بیع میں کمی بیشی کے لیے یہ متبادل تدبیر (حیلہ) بتائی ہے کہ انہیں درہم / دینار (سونا / چاندی) کے ذریعے بیچ کر قیمت میں برابری رکھنے کا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ فقہا نے اسے بھی 'حیلہ صحیحہ' میں شمار کیا ہے۔ ہماری رائے میں کرنسی کی اساس کسی Commodity پر قائم کر لی جائے جس طرح پہلے رہی ہے۔ ماضی میں فقہا نے کرنسی کے سارے اَحکام سونا چاندی پر مبنی درہم / دینار پر قیاس کیے ہیں۔ ہم امام مالکؒ وغیرہ سے کرنسی میں تبدیلیوں کی بنا پر وزن و قیمت کی اہمیت پیش کر چکے ہیں۔ قرآن و احادیث بھی اس کی تائید کرتے ہیں جیسا کہ گذر چکا ہے۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

☆ تیسری مثال سے ہمارے استدلال کو بعض لوگ قبول نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اعلیٰ اور ردّی کھجور کی مقدار میں کمی بیشی والی بیع ربا الفضل میں ہی شامل ہے جو حرام ہے۔

جواب: ہم ربا الفضل کی علت کی بحث میں یہ بیان کر چکے ہیں کہ یہ معاملہ تمام ہم جنس اشیا میں حرام نہیں ہے۔ بلکہ علت کے اشتراک کی بنیاد پر بہرحال محدود ہے۔ جس طرح درہم ر دینار کا تبادلہ تول کر کمی بیشی سے جائز ہے اور بازار کے چلن میں کم وزن درہم دینار اگر پورے درہم دینار کی قیمت پر چلتے ہوں تو پھر ان کا شمار مکمل درہم دینار کی طرح ہو گا۔

کرنسی کے درمیانی واسطہ (کے حیلہ) کی وجہ سے ربا الفضل میں گنجائش پیدا ہونے کی وجہ دراصل یہ ہے کہ ربا الفضل کی ممانعت کی ایک وجہ اندازے میں ابہام کا ہونا ہے اگر ردّی اور اعلیٰ کھجوروں میں کمی بیشی کر کے سودا کیا جائے تو پھر فرق کے اندازے کا کوئی معیار نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے کرنسی سے بیچ کر اندازہ کرنے کی متبادل صورت خود بتا دی ہے تاکہ ابہام ختم ہو جائے تو تبادلہ اشیا (Barter System) کے بجائے کرنسی والی بیع، مستحسن بیع بن جائے گی۔ موجودہ ظالمانہ افراطِ زر میں کرنسی کی ظاہری گنتی کی برابری پر زور دے کر دوسرے تمام جائز رستے بند کر دینا ناجائز سختی ہے۔ شریعت کو مقاصد کے تحت رکھ کر ظلم وزیادتی کا ازالہ کرنا چاہئے نہ کہ ایسے علاج کی بندش کی کوشش کرنا۔ رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل آسانی کا تھا:

مَا خُيِّر بين شيئين إلا اختار أيسرهما: مالم يكن إثما (صحیح ابوداود، حدیث ۴۰۰۲)

"رسول اللہ ﷺ دو اشیاء میں آسان کو اختیار فرماتے جبکہ وہ گناہ نہ ہو" (ج ۳ ص ۹۰۸)

نیز ارشاد نبوی ﷺ ہے: بُعِثْتُ بالحنيفية السّمحة

"میں یکسو آسان دین کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں" (مسند احمد، ج ۵ ص ۲۶۶۔ ۲۱۲۶۰)

ربوا الفضل میں مقصد کی اہمیت کا اندازہ درج ذیل واقعہ سے لگائیے:

عن عطاء بن يسار أن معاوية بن أبی سفيان بَاع سقاية من ذهب أو من ورق بأكثر من وزنها، فقال له ابوالدرداء: سمعت رسول اللهﷺ ينهى عن مثل هذا إلا مثلا بمثل فقال معاوية: ما أرىٰ بهذا بأساء فقال له أبو الدرداء: من يعذرني من معاوية أُخبِره عن رسول اللهﷺ و يُخبرنی عن رأيه، لا أسا كنك بأرض أنت بها ثم قدم ابوالدرداء على عمر بن الخطاب فذكر له ذلك، فكتب عمر الى معاوية أن لا يبيع ذلك إلا مثلا بمثل وزنا بوزن (السنن الكبرى للبيهقی: ج۵/ص ۲۸۰)

"عطاء بن یسارؒ بیان کرتے ہیں کہ امیر معاویہ بن ابی سفیانؓ نے ایک سونے یا چاندی کا پیالہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اس کے وزن سے زیادہ سونا، چاندی کے تبادلہ میں فروخت کیا تو ابوالدرداء نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنایا کہ آپ ﷺ ایسی خرید و فروخت میں برابری کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ معاویہؓ نے رائے دی کہ میں اس سودے میں کوئی حرج نہیں پاتا جس پر ابوالدرداء (سیخ پا ہو کر) کہنے لگے: "کس کی جرات ہے کہ وہ معاویہؓ کی طرف سے عذر خواہی کرے؟ میں تو انہیں اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد سنا رہا ہوں اور وہ اپنی رائے پر ڈٹے ہوئے ہیں۔" (اے معاویہؓ!) میں اس علاقہ میں تیرے ساتھ رہ ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ ابوالدرداءؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی خدمت میں حاضر ہو کر سارا واقعہ کہہ سنایا جس پر حضرت عمرؓ نے امیر معاویہؓ کو لکھا کہ وہ ایسی چیز کی فروخت صرف ہم وزن برابر برابر ہی کریں"

بظاہر اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سونے چاندی کے زیورات کی خرید و فروخت کے وقت سونا چاندی (درہم/دینار) کے تبادلہ میں برابری اس قدر ضروری ہے کہ زیورات کی صنعت و حرفت کا معاوضہ بھی نہیں لیا جاسکتا جس طرح پیالہ کی صنعت کا معاوضہ زائد سونے چاندی کی صورت میں ابوالدرداء نے غلط قرار دیا اور حضرت عمرؓ نے بھی اس کی تائید کی۔ لیکن علامہ ابن قیمؒ اس واقعہ کی روشنی میں ایک اصولی نکتہ پیش کرتے ہیں کہ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال ناجائز ہونے کی بنا پر ان کی صنعت کے بدلے زائد سونا چاندی نہیں لیا جاسکتا لیکن زیورات کا استعمال چونکہ جائز امر ہے لہٰذا ان کی خرید و فروخت میں مزدوری کے طور پر اضافی سونا چاندی جائز ہونا چاہیے۔ ان کے کلام کا اعلام الموقعین (مترجم) جلد ۱/ص ۴۹۱ سے ترجمہ ملاحظہ فرمائیں:

"......اگر کوئی صنعت یا زیور قسم حرام سے (مثلاً سونے چاندی کا برتن) ہے تو نہیں ان کی جنس سے اور غیر جنس سے تبادلہ حرام ہے۔ اسی کی بیع کا انکار حضرت معاویہؓ پر حضرت عبادہ بن صامتؓ[۶] نے کیا تھا، اس لئے کہ اس میں حرام صنعت کی قیمت بھی شامل ہے اور یہ جائز نہیں جیسے کہ باجے گاجے کی بیع حرام ہے۔ اگر صنعت از قسم مباح ہو جیسے چاندی کی انگوٹھی، عورتوں کے زیور، ہتھیار وغیرہ کے زیور تو کوئی عاقل ایسا نہیں کہ انہیں ان کے وزن کے برابر انہی کی جنس سے بیچ دے۔ اس لئے کہ اس طرح جو دام اسے صنعت پر بیٹھے ہیں وہ ضائع ہو جائیں گے۔

(۶) دراصل پیالہ والا واقعہ ابودرداء صحابی کے سامنے ہی پیش آیا تھا لیکن اس سے ملتا جلتا ربا الفضل کا معاملہ رومیوں کے ساتھ جنگ کے دوران امیر معاویہؓ اور عبادہ بن صامت کے درمیان اختلاف کا باعث بھی ہوا تھا جس میں اصل اختلافی مسئلہ سونے چاندی کی نقد بیع میں تفاضل کی ممانعت کا تھا جس کو امیر معاویہ صرف ادھار صورت پر محمول کر رہے تھے جب کہ عبادہ نقد سودا کی بیشی کی صورت کی حرمت پر اصرار کرتے رہے۔ (ملاحظہ ہو ابن ماجہ، ترمذی، ابوداود، مسند احمد، دارمی اور مسلم حدیث نمبر ۲۰۶۹، ۲۰۷۰، ۹۷۰) ...... میرا خیال ہے کہ ابن قیمؒ ابودرداء کی بجائے عبادہ بن صامت کا ذکر التباس کی وجہ سے کر گئے ہیں۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شارع کی حکمت اس سے بہت اعلیٰ ہے کہ وہ اُمت پر یہ لازم کردے۔ نہ ہی شریعت کے لائق یہ حکم ہے"

حاصل یہ ہے کہ ربا الفضل کے تحت آنے والی اشیاء کے معاملات میں مقاصد کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کرنسی کے قرض یا لین دین میں مشروط اضافہ مقصود ہو خواہ اس کا نام کچھ بھی رکھ لیا جائے تو وہ 'ربا' شمار ہوگا اور اگر کرنسی میں خوفناک افراطِ زر کی وجہ سے قرض داروں اور قرض خواہوں میں عدل مقصود ہو تو کرنسی کا حساب کسی مستحکم Commodity کی اساس پر کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ کرنسی کی ظاہری گنتی کا جو فرق نظر آرہا ہے وہ حقیقت میں فرق نہیں ہے بلکہ قدر و قیمت کی یکسانی کی غرض سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا جہاں قرضِ حسنہ کے بارے میں یہ ارشاد ہے کہ وہ صدقہ کے قریب ہے وہاں آپ کا یہ بھی ارشاد ہے: عن أبي هريرة خيركم أحسنكم قضاء ، متفق عليه

"اور تم میں سب سے بہترین وہ ہے جو ادھار کی ادائیگی میں سب سے بہتر ہے"

(بحوالہ الربا والقروض في الفقه الاسلامي ص ۹۸، ۹۹، ۱۲۶ از ڈاکٹر محمد عبدالہادی)

مقام نمبر ۶ تا ۹

۶۔ پیرا نمبر ۱۳۸، جس میں حضرت عمرؓ کے قول فدعوا الربا والريبة کی بحث ہے۔

۷۔ پیرا نمبر ۹۳ تا ۱۲۹، جس میں سودِ مرکب کے علاوہ سودِ مفرد وغیرہ تمام اقسام سود کی بحث ہے۔

۸۔ پیرا نمبر ۱۳۰ تا ۱۳۷ میں آیاتِ متشابہات کی بحث

۹۔ پیرا نمبر ۵۰ کی شق نمبر ۳ جس میں نہضۃ العلماء کانفرنس (مشرقی جاوا، انڈونیشیا) کے حوالہ سے مصلحت اور اجماع کی بحث کی گئی ہے۔

میں نے ابتدا میں وفاقی شرعی عدالت کے ۱۴ر نومبر ۱۹۹۱ء کے فیصلہ میں بارہ ایسے مقامات نامزد کیے تھے جن کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ ان میں مقام نمبر ۶ تا ۹ کے متعلق وفاقی شرعی عدالت نے جو فیصلہ کیا ہے، اس سے دلائل سمیت مجھے مکمل اتفاق ہے البتہ اندازِ تعبیر کی حد تک میں چند باتیں واضح کرنا چاہتا ہوں جو ذیل میں نکات وار درج ہیں:

(۱) ربا کا مسئلہ قطعاً متشابہات سے نہیں ہے: وفاقی شرعی عدالت نے اپنے فیصلہ کے پیرا ۱۳۰ تا ۱۳۷ میں متشابہات کی عمدہ تشریح کی ہے اور بالکل درست لکھا ہے کہ سود (ربا) کا مسئلہ متشابہات میں سے نہیں ہے۔ اگر سود کی بعض صورتیں مشتبہ ہونے کی وجہ سے واضح نہ ہوتیں تو قطعاً اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے جنگ جیسی خوفناک دھمکی نہ دی جاتی۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ ۲/ ۲۷۸ میں ﴿وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا﴾ (جو سود باقی رہ گیا ہے، وہ بھی چھوڑ دو) کے الفاظ سے سابقہ سودی

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاملات میں بقیہ سود تک چھوڑ دینے کا حکم دیں اور اگلی ہی آیت ۲۷۹ ﴿فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللهِ وَرَسُولِهِ وَإِن تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُوسُ أَمْوَالِكُمْ﴾ (اگر سودی اضافہ نہیں چھوڑتے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے اعلانِ جنگ قبول کرو اور اگر توبہ کرتے ہو تو صرف اصل سرمایہ ہی تمہارے لیے ہوگا) میں توبہ اسی صورت میں قبول کریں کہ وہ ادنیٰ سودی اضافہ بھی چھوڑ کر صرف اصل سرمایہ واپس وصول کریں ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جائیں؟

شریعت کی مکمل وضاحت کا عقیدہ اسلام کے مسلمہ عقائد میں شامل ہے: سود کی بعض اقسام کو مشتبہ بنانے کے لیے انہیں متشابہات میں شامل کرنے کا مسئلہ صرف فقہی نہیں بلکہ اس کا تعلق مسلمانوں کے مسلمہ عقیدہ سے ہے کہ شریعت اللہ کی طرف سے مکمل ہو چکی ہے اور رسولِ کریم ﷺ تمام تر شریعت اُمت کو (سورج کی طرح روشن صورت میں) پہنچا کر دنیا سے رخصت ہوئے جیسا کہ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾

"اے رسول ﷺ! جو کچھ بھی اللہ کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا وہ (اُمت تک) پہنچا دیجیے اور اگر ایسا نہیں کریں گے تو آپ نے رسالت کی تکمیل نہیں کی" (سورۃ المائدۃ:۵/۶۷)

آیاتِ متشابہات کے سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ایسی چیزوں کے بارے میں وضاحت کے لیے قرآن کریم نے خود آیاتِ محکمات کی طرف رجوع کا حکم دیا ہے جو آیات متشابہات کے لیے 'ماں' کا درجہ رکھتی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿هُوَ الَّذِي أَنزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ ......﴾ "اسی (اللہ تعالیٰ) نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس میں محکم آیات ہیں وہی کتاب اللہ کی ماں (اصل) ہیں اور دوسری متشابہات ہیں" (سورۃ آل عمران:۳/۷)

لہٰذا متشابہات میں انسانی ضرورت کی اشیا تو محکم آیات کی طرف رجوع کرنے سے ہی واضح ہو جاتی ہیں البتہ بعض مافوق الفطرت باتوں کا علم اللہ کے سپرد کرنا ہی پڑتا ہے۔

(۲) حضرت عمرؓ کے قول کی وضاحت: سود کی بعض اقسام کو مشتبہ بنانے کیلئے حضرت عمرؓ کے ایک قول کا سہارا لیا جاتا ہے جس کی روایت کتب حدیث میں متنوع الفاظ سے کی گئی ہے مثلاً إن آخر ما نزلت آية الربا وإن رسول الله ﷺ قبض ولم يفسرها لنا فدعوا الربا والريبة (ابن ماجہ حدیث ۲۲۶۷)

"آیتِ ربا آخری اُترنے والی آیت ہے اور چونکہ رسول اللہ ﷺ رخصت ہونے سے قبل زیادہ وضاحتیں نہ کر سکے، اس لیے سود بھی چھوڑو اور مشکوک معاملات سے بھی اجتناب کرو۔"

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

دوسری روایت مسند احمد حدیث ج ۱/ص ۳۶ (حدیث ۲۴۸) میں لنا کے لفظ کے علاوہ باقی عبارت وہی ہے اور معنی میں کوئی فرق نہیں پڑا...... تیسری روایت مسند احمد حدیث ۳۳۱ میں قُبِضَ کی جگہ تُوُفِّیَ کا لفظ ہے، معنی وہی ہے البتہ باقی عبارت میں آخِرَ سے قبل مِنْ کا لفظ زیادہ ہے۔ مفہوم یہ ہے کہ آیت ربا قرآن کی آخری اُترنے والی آیات میں سے ہے..... چوتھی روایت سنن داری حدیث ۱۳۱ میں پوری عبارت کا پیرایہ بیان مختلف ہونے کے علاوہ ولم یفسّرھا لنا کی جگہ ولم یبینھا لنا کا لفظ ہے:

عن الشعبي أن عمر قال: يأيها الناس إنا لاندري لعلنا نأمركم بأشياء لا تحل لكم ولعلنا نحرم عليكم أشياء هي لكم حلال. إن آخر ما نزل من القرآن آية الربا وإن رسول الله ﷺ لم يبينها لنا حتى مات فدعوا ما يريبكم الى ما لا يريبكم (ج۱، ص۴۹)

"شعبیؒ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ہم بعض معاملات کے حلال و حرام ہونے کے بارے میں متردد ہو جاتے ہیں۔ بے شک آیتِ ربا قرآن کی آخری اُترنے والی آیت ہے اور رسول ﷺ ہمارے لیے تفصیلی معاملات کھولنے سے قبل فوت ہوگئے لہٰذا شک و شبہ کے بجائے پر اعتماد صورتوں کو اختیار کرو"

مفہوم اگرچہ وہی ہے لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ سے روایت بالمعنی ہو رہی ہے اس لیے حضرت عمرؓ کے الفاظ پر زور دینے کی بجائے حضرت عمرؓ کا مقصد سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ حضرت عمرؓ خدانخواستہ یہ عقیدہ تو قطعاً نہیں رکھ سکتے کہ رسول اللہ ﷺ شریعت کے اہم مسئلہ سود (ربا) کا معنی واضح کیے بغیر رخصت ہوگئے کیونکہ رِبا عربی زبان کا لفظ ہے اور عرب لوگوں کے ہاں اس کا معنی معلوم و معروف ہے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کا مقصد یہ بھی نہیں ہے کہ ربا کی بعض جزئیات آپ ﷺ چھوڑ گئے کیونکہ یہ عقیدہ تکمیل دین کے خلاف ہے بلکہ آپ کی مراد یہ تھی کہ سود کی صورتیں بدلتے حالات میں نئی سے نئی پیش آتی رہتی ہیں اور کئی نئی صورتوں کے بارے میں نبی ﷺ کی صراحت موجود نہیں ہوتی یا عمرؓ کے علم میں نہیں (کیونکہ نبی ﷺ کا علم تمام صحابہؓ میں پھیلا ہوا تھا اور صحابہؓ ایسے انداز کی گفتگو اس لیے بھی کرتے رہتے تھے تاکہ مذاکرہ سے معلومات ملتی رہیں) لہٰذا سود کے بارے میں محتاط رویہ اپنانا بڑا ضروری ہے۔ حضرت عمرؓ کے اس قول کی کچھ وضاحت آپ کے ایک دوسرے موقعہ پر خطاب سے ہوتی ہے جو یوں ہے:

قال عمر بن الخطابؓ: إنكم تزعمون أنا لا نعلم أبواب الربا، ولأن أكون أعلمها أحبّ إلي من أن يكون لي مثل مصر وكورها، ومن الأمور أمور لا يكن يخفين على أحد: هو أن يبتاع الذهب بالورق نسيئا وأن يبتاع الثمرة وهي معصفرة لا تطب، وأن

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يسلم في سن (المصنف لعبد الرزاق ج ٨ ص ٢٦ حديث ١٤١٦١)

"حضرت عمرؓ نے فرمایا: تم خیال کرتے ہو کہ ہم سود کی بعض شکلوں سے واقف نہیں۔ اللہ کی قسم! سود کی ایسی صورتوں کا علم میرے نزدیک مصر اور اس کے اضلاع سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ پھر سودی معاملات میں سے بہت سے اُمور ایسے ہیں جو کسی پر بھی مخفی نہیں مثلاً سونے کی چاندی کے بدلے اُدھار خریداری اور درختوں پر موجود پھل کی خریداری جبکہ وہ زرد ہو، پوری طرح تیار نہ ہو اور حیوانات میں بیع سلم"

حضرت عمرؓ اپنے مذکورہ بالا خطاب میں ربا الفضل کی دو قسموں (جو مذکورہ تین صورتوں میں سے پہلی دو ہیں) کے بارے میں بیان کر رہے ہیں کہ وہ کسی پر مخفی نہیں ہیں البتہ ایک اور قسم (چند مخصوص اشیا کا نقد کمی بیشی سے سودا) صحابہؓ کے درمیان اختلافی امر تھا اس کے بارے میں حضرت عمرؓ اپنے بھرپور اطمینان نہ ہونے کا حسرت سے ذکر کر رہے ہیں۔

(۳) حضرت عمر کے قول کی اسنادی حیثیت اور اس میں ترجیح: حضرت عمرؓ کے مذکورہ بالا قول کی توجیہ ہم نے اس لیے کر دی ہے کہ کوئی اس قول کا انکار معنوی اجنبیت کی بنا پر نہ کرے۔ اگرچہ بعض حضرات کی یہ رائے بھی ہے کہ یہ قول روایتاً ثابت نہیں ہے کیونکہ حضرت عمرؓ سے سعید بن میسبؒ کی سماعت میں اختلاف ہے اور ان سے نیچے بعض راوی بھی اعلیٰ معیار کے نہیں یہی وجہ ہے کہ بعض محدثین نے اسے ضعیف حدیث شمار کیا ہے جب کہ جمہور محدثین ضعف کا ازالہ یوں کرتے ہیں کہ سعید بن میسبؒ تابعی کی مرسل متفقہ طور پر حجت ہے اور نچلے رواۃ کا ضعف بھی شدید نہیں ہے لہٰذا یہ روایت کم از کم حسن درجہ کی ہے پھر دارمی والی روایت میں سعید بن میسبؒ کے بجائے شعبیؒ روایت کرتے ہیں اور نچلے رواۃ بھی مختلف ہیں جس سے پہلی روایات کی تائید ہوتی ہے۔ بہر حال محدثانہ طریقہ پر اس حدیث کے صحت و ضعف کے اختلاف پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں بالخصوص امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ محدثین کا رویہ معمولی ضعیف احادیث کے بارے میں یہی ہے کہ وہ ایسی احادیث کا انکار کرنے کے بجائے ان کی توجیہ زیادہ پسند کرتے تھے۔

(۴) محدثین کا انداز تحقیق اس امت کا طرۂ امتیاز ہے: ہمیں شکایت ان لوگوں سے ہے جو محدثانہ فنی بحث کرنے کے بجائے اپنی رائے سے احادیث کا انکار کر دیتے ہیں یا محدثین کے شاندار فن کو تسلیم ہی نہیں کرتے جو شاید اس اُمت کے معجزات میں سے ایک ہے۔ کوئی شخص محدثین کے فن کی مہارت حاصل کر کے اس کو آگے بڑھائے ہم اس کی حوصلہ افزائی کریں گے کیونکہ انسانی کاوش میں ہمیشہ بہتری کی گنجائش ہوتی ہے لیکن اگر اس کا مقصد یہ ہو کہ فن پر تنقید کر کے سند کے واسطہ کے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بغیر ہی من مانی تصحیح وتضعیف کا نیا دروازہ کھول دیا جائے تو بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی شخص عدالتی کاروائی پر عدم اعتماد کر کے کہے کہ جج حضرات کو کسی واقعہ کے بارے میں گواہان کے بغیر ہی اپنی اعلیٰ علمی بصیرت اور بھرپور تجربوں سے فیصلے کرنے چاہئیں اور اس طریقہ کو 'درایت' اور 'تدبر' کا نام دے۔ ترقی یافتہ قومیں اپنے اَسلاف کے کاموں کو ضرور آگے بڑھا سکتی ہیں لیکن ان کے کئے پر پانی پھیر کر نام نہاد 'تحقیق' بصیرت نہیں، جہالت ہوتی ہے۔

(۵) محدثین اور فقہاء کا کام الگ الگ نوعیت کا ہے اور دونوں کے علم وفن کی اپنی جگہ اہمیت ہے:

ہمیں اس سلسلہ میں محدثین اور فقہا کا تقابل کر کے کسی ایک کو ترجیح دینے کا رجحان بھی پسند نہیں کیونکہ حدیث اور فقہ دو مختلف فنون ہیں۔ فن حدیث کا تعلق صرف واقعہ کے سچا یا جھوٹا ثابت کرنے سے ہوتا ہے اور محدثین کے ہاں روایت حدیث کو صدق وکذب کے لحاظ سے پرکھنے کو اصطلاحاً 'درایت' کہتے ہیں جبکہ فقہ کا میدان کسی ثابت شدہ واقعہ سے استنباط واجتہاد کرنے کا ہے۔ جس طرح پولیس کی ایمان دارانہ تفتیش اور عدالتی تجویز میں فرق ہے اور اپنی اپنی جگہ دونوں کی اہمیت ہے۔ دونوں کی قدر کرنی چاہیے۔

(۶) قرآن وحدیث وحی الٰہی ہیں اور ان کا باہمی تعلق ایک دوسرے کی تائید وتشریح کا ہے، مقابلہ وتضاد کا ہرگز نہیں، دونوں کی تحلیل وتحریم مساوی حیثیت رکھتی ہے: رسول اللہ ﷺ کی سنت اور قرآن کے حوالے سے ایک خطرناک رجحان مستشرقین کی سازشوں سے مسلمان دانشوروں میں پھیل رہا ہے جس سے عموماً اب یہ تاثر پختہ ہو رہا ہے کہ قرآن اور سنت کو الگ الگ کر دیا جائے حالانکہ قرآن اور محمد ﷺ کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ قرآنِ کریم محمد ﷺ کے بغیر نہیں آیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے حضور ﷺ کی تئیس سالہ زندگی میں قرآن کو یوں پرو دیا ہے کہ یہ ہار اس لڑی کے بغیر استعمال ہی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ موضوع طویل ہے اس پر کوئی لمبی گفتگو کرنے کے بجائے میں ماہنامہ "محدث" لاہور کی چند متفرق اشاعتیں (۳) پیش کیے دیتا ہوں۔ ویسے علماءِ دین نے اس موضوع کو اتنا زیادہ کھنگال دیا ہے کہ اب ان کے حوالے ہی کافی ہیں، کسی مزید تحقیق کی ضرورت نہیں۔ البتہ یہ شبہ دور ہو جانا چاہیے کہ قرآنِ مجید کی تحقیق میں تواتر کیوں شرط ہے جب کہ فن حدیث میں سنت کے ثبوت کے لیے غیر متواتر (خبر واحد) کا صحیح ثابت ہو جانا ہی کافی ہے۔

اس کی وجہ قرآن کے الفاظ اور سنت کی مراد کا وہ بنیادی فرق ہے جو عام اشخاص کے مدِنظر نہیں ہوتا۔ قرآنِ کریم سے مقصود چونکہ تلاوت ہوتی ہے جس میں تلفظ کی ادائیگی زیادہ اہمیت رکھتی ہے اس لیے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لفظ کی تحقیق وتلاوت کے لیے زیر وزبر اور نقطوں تک کا اہتمام کرنا ضروری ہے اس لیے فن قراءت کے ائمہ نے قرآنِ کریم کے ثبوت کے لیے اس کا متواتر ہونا ضروری قرار دیا ہے جبکہ سنتِ رسول، محمد ﷺ ہی کے واسطہ سے چلتا پھرتا قرآن ہی ہے یعنی آپ ﷺ کی معصوم زندگی کے اقوال وافعال بلکہ آپ کی خاموشی تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کی مراد واضح کرتی ہے۔ ظاہر ہے کہ مفہوم ومراد کے لیے وہ طریقہ اختیار کرنا ضروری نہیں جو لفظ کی حفاظت کے لیے ضروری ہے۔ بہر حال قرآن وسنت کے لیے الگ الگ طریقہ ثبوت سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں کو آپس میں ٹکرا کر دین وشریعت کا تیاپانچا کر دیا جائے بلکہ دونوں کا جوہری مقصد سامنے رکھ کر دونوں کو ملا کر شریعت کی جزئیات سے واقفیت حاصل کرنی چاہیے۔ اس نکتہ کی وضاحت کے بعد یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن اور سنت کے حلال وحرام میں کوئی فرق نہیں، اس نکتہ کے بارے میں رسول ﷺ کا صریح ارشاد بھی ملاحظہ فرمائیے:

(الف) عن أبي رافع وغيره رفعه قال : لا ألفينّ أحدكم متكئا على أريكته يأتيه أمرمما أمرت به أو نهيت عنه فيقول لا أدري، ما وجدنا في كتاب الله اتبعناه (الترمذي:۲۵۸۷،۲۸۱۳)

(ب) عن المقدام بن معديكرب قال قال رسول الله ﷺ: ألا هل عسى رجل يبلغه الحديث عني وهو متكئ على أريكته فيقول بيننا وبينكم كتا ب الله فما وجدنا فيه حلالا استحللناه وما وجدنا فيه حراما حرمناه وإنما حرم رسول الله صلى الله عليه وسلم كما حرّم الله (الترمذى / ۲۵۸۸)

جامع ترمذی کی ان دونوں حدیثوں کا مفہوم یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کے غلط نظریہ کی تردید کی جس نے قرآن اور سنت کے حلال اور حرام کو الگ الگ مرتبہ میں رکھا حالانکہ امت کے لیے قرآن ہو یا سنت، واحد ذریعۂ وحی رسولِ کریم ﷺ ہی ہیں، سنتِ رسول کی تحلیل وتحریم کتاب اللہ (قرآن) کی تحلیل وتحریم ہی کا درجہ رکھتی ہے۔

لہٰذا جو حضرات سود کی بعض اقسام کو ربا القرآن یا ربا السنة میں تقسیم کرکے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ربا القرآن کا درجہ حرام کا ہے جبکہ سنت میں وارد تفصیلات کا درجہ مکروہ کا ہے، یہ نظریہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ دین کی تکمیل رسول ﷺ نے کی ہے اس میں قرآن کے الفاظ اور سنت کی وضاحتیں دونوں شامل ہیں۔

(۷) سود کی حرمت میں تدریج، جس سے نفس مسئلہ پر کوئی فرق نہیں پڑتا: اسی طرح کی ربا سے متعلق وارد نصوص کی یہ توجیہ بھی بعض لوگوں کو مغالطہ کا باعث ہوتی ہے کہ کیا ربا کی تمام جزئیات

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

و تفصیلات ایک ہی وقت حرام قرار دے دی گئیں تھی یا مختلف اوقات میں بتدریج نوع بہ نوع صورتوں سے منع کیا جاتا رہا ہے؟

جس شخص کی رسول اللہ ﷺ کے اندازِ تشریع پر نظر ہے وہ اس بارے میں کسی اِشکال کا شکار نہیں ہو سکتا کہ آپ کا انداز تشریعی Academic ہونے کی بجائے عملی زندگی کا تھا۔ بلا شبہ رسولِ کریمؐ بنی اسرائیل پر سود کی حرمت سے واقف ہونے کی بنا پر خود اول روز سے ہی سود سے احتراز کرتے رہے بلکہ آپ کی نبوت سے ۵ سال قبل تعمیر کعبہ کے وقت قریش نے کعبہ پر بھی کوئی سودی مال نہیں لگایا تھا لیکن قرآن وسنت کا مطالعہ کیا جائے تو معاشرہ میں سود کی حتمی حرمت اور اس کی نوع بہ نوع صورتوں کے متعلق ممانعت کی تعلیمات آپ نے موقع بہ موقع ہی نافذ کی ہیں اسی لیے نبی ﷺ کے زمانہ میں پیش آنے والے بعض واقعات کے سلسلہ میں بعض علماء نے یہ جوابات دیئے ہیں کہ اس وقت تک سود کی فلاں خاص متعین صورت حرام نہ ہوئی تھی جس میں ربا النسیئۃ کے بہت بعد ربا الفضل کی حرمت علماء کے ہاں مشہور ہے نیز ۴ھ میں یہود (بنی قینقاع) کو جب نبی ﷺ نے جلاوطن کرنے کا حکم دیا تو ان میں سے بعض افراد نے یہ عذر پیش کیا کہ ان کے بعض قرضے مسلمانوں کے ذمہ ہیں جو ابھی تک وصول نہیں ہو سکے تو آپ نے اس کا ایک حل یہ بتایا کہ کچھ رقم کم کر کے مسلمانوں سے اپنے قرضے واپس حاصل کر لو اس صورت کو فقہاء نے ضَعْ وَتَعَجَّلْ کا نام دیا ہے اور بعض علماء نے اس کا جواب یہ بھی دیا ہے کہ اگرچہ قرض کی کچھ رقم کم کر کے سرمایہ کی وصولی بھی سود ہی کی ایک عکسی شکل ہے لیکن یہ صورت ۴ھ کے بعد حرام قرار دی گئی۔ اسی طرح کا معاملہ حضرت عباسؓ وغیرہ صحابہ کرامؓ کا ہے جو راجح تحقیق کے مطابق فتح مکہ سے کچھ عرصہ قبل ہی مسلمان ہوئے اور انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان فتح مکہ ۸ھ کے موقع پر کیا لیکن حجۃ الوداع جو ۱۰ھ میں ہوا فتح مکہ سے تقریباً سوا دو سال بعد کا واقعہ ہے۔ اس دوران بالخصوص حضرت عباسؓ وغیرہ حضرات صحابہؓ کی رقوم مع سود دوسرے لوگوں کے ذمہ تھیں جن کو رسولِ کریم ﷺ نے حجۃ الوداع ۱۰ھ کے موقع پر معاف کر کے صرف اصل زر وصول کرنے کی اجازت دی۔

اس کی توجیہ بھی بعض علماء یہ کرتے ہیں کہ یہ تجارتی سود مفرد تھا جس کا اتنے بڑے مجمع میں آپ نے اپنے خاندان کا سود معاف کر کے معاشرتی سطح پر استیصال کرنے کے لیے حتمی قدم اٹھایا۔ اسی طرح سورۂ آل عمران کی آیت ۱۳۰ میں أضعافا مضاعفة (سود مرکب) کی تحریم کے متعلق ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ اس آیت میں سود مرکب حرام کیا گیا جبکہ سود مفرد بعد میں حرام ہوا۔ اگرچہ

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

علماء نے مذکورہ بالا جوابات کے علاوہ قرآنِ مجید کی تمام آیات کے اترنے کے بعد جو سود کی جزئیات مکمل ہوئیں ان کو پیش نظر رکھ کر تمام آیات کی یکساں تاویل کر کے ایسے جوابات دیئے ہیں گویا ہر آیت سود کی تمام صورتوں پر مشتمل ہے جو تاویل قرآن کے اعتبار سے اب درست مفہوم ہے لیکن اگر علی سبیل التنزل تاریخی طور پر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سود کی اجمالی حرمت تو ابتدائے نبوت سے ہی تھی لیکن مختلف اوقات میں نوع بہ نوع عملاً سود کے دروازے بند کیے جاتے رہے تو اس توجیہ میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

مقام نمبر ۱۰ تا ۱۲

۱۰۔ پیرا نمبر ۲۴۹ تا ۲۷۸ جن میں سود کی متبادل بعض اقسامِ بیع کی بحث ہے۔

۱۱۔ پیرا نمبر ۵۶ تا ۶۴ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ پر تبصرہ

۱۲۔ ضمیمہ نمبر ۲ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹ کا تائیدی اور تنقیدی جائزہ

شرعی عدالت کا دائرہ اختیار اور کرنے کا کام

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ میں مذکورہ تین مقامات کا تعلق 'سود' کے ملکی معیشت سے اِخراج کے بعد متبادلات سے ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بنیادی بات نظرانداز نہیں کرنی چاہیے کہ ملک کے معاشی نظام کے اندر سود بظاہر چند قانونی دفعات تک محدود ہے اور شرعی عدالت کا دائرہ اختیار بھی اتنا ہی محدود ہے کہ وہ بمشکل تمام ایسے ذیلی قوانین کی مخصوص شقیں کلی یا جزوی طور پر کالعدم قرار دے سکتی ہے جو اس کی نظر میں قرآن و سنت کے احکامات سے متصادم ہوں پھر اس کے فیصلے کی تعمیل میں متبادل قوانین وضع کرنا ریاست کے دیگر قانون ساز اداروں کا کام ہے۔

چونکہ چند قوانین بھی ایک مجموعی نظام کی بقا میں اس وقت ایک بڑا کردار رکھتے ہیں جب نظام کا رُخ بدل رہا ہو۔ سود تو سرمایہ دارانہ نظام کا اتنا اہم عنصر ہے کہ اس کو ختم کرنے کے بعد یہ سمجھنا کہ سرمایہ دارانہ نظام باقی رہ سکے گا یہ ایسے ہی ہے جیسے یہ باور کر لیا جائے کہ دو متوازی پہیوں والی گاڑی ایک پہیہ پر رواں رہ سکتی ہے۔

البتہ یہ درست ہے کہ شرعی عدالت کے دائرہ کار سے ملکی دستور بالاتر ہے لیکن ملکی دستور ہی میں شرعی عدالت کا قیام اور دیگر اسلامی دفعات کا مقصد ہی یہ ہے کہ دستور کی اسلامی اساس پر بتدریج سارے دستور کو اُستوار کیا جائے جس کا ایک ذریعہ شرعی عدالت بھی ہے۔ اس لیے یہ بات پریشانی کا باعث نہیں بننی چاہئے کہ کسی عادلانہ فیصلہ کے اثرات حکومتی کارکردگی پر کیا ہوں گے؟ بلکہ حکومت

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کو ایسے صحیح فیصلے ایک چیلنج سمجھ کر قبول کرنے چاہئیں کیونکہ عدالت کا دائرہ کار تو بہر حال محدود ہے لیکن ریاست کے قانون ساز اداروں کے اختیارات ایسے محدود نہیں ہیں۔ وہ اگر کسی ایسے فیصلے کے اثرات وسیع تر پائیں تو متبادل قوانین لاتے ہوئے پورے اقتصادی نظام کو تبدیل کر سکتے ہیں۔ اس لیے ہماری رائے میں شرعی عدالت کو اپنے فیصلے میں متردّد نہیں ہونا چاہیے اور نہ زیادہ متبادلات پر محنت کرنی چاہئے بلکہ فیصلہ کے ذریعے حکومت کو مجبور کرنا چاہیے کہ ۱۹۷۵ء سے اب تک متبادل نظام تیار کرنے کے لیے کتنے کمیشن رکمیٹیاں بنائی جاتی رہیں جو اپنی تجاویز یا Blue Print پیش کرتے چلے آرہے ہیں؟ اگر یہی سلسلہ مزید چلایا گیا تو اسلام کی طرف کوئی مؤثر پیش رفت خواب ہی بن کر رہ جائے گی۔

اس بنیادی نکتہ کے بعد میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ میں سود کی متبادل بیوع کی بعض اقسام کے چند پہلو اُجاگر کرنا چاہتا ہوں۔ اسلامی نظریاتی کونسل کی رپورٹوں کو اس لیے سامنے رکھا گیا ہے کہ وفاقی شرعی عدالت نے اسے اپنے فیصلہ کا ضمیمہ ۲ بنایا ہے۔

بیع مؤجل اور مرابحہ کی وضاحت اور شرعی حیثیت

بیع مؤجل (Deferred Sale) وہ بیع ہے جس میں قیمت کی ادائیگی تاخیر سے کی جائے خواہ یکمشت ہو یا قسطوں میں۔ اسی طرح مرابحہ وہ سودا ہے "جس میں مالک اپنی شے کی قیمتِ خرید اور متعین منافع بتا کر شے کو فروخت کرے۔" بظاہر دونوں (بیع مؤجل اور مرابحہ) میں کوئی حرج نظر نہیں آتا لیکن ہمارے ہاں بنکوں نے دونوں کی امتزاجی شکل اختیار کی ہے وہ کچھ یوں ہے:

کوئی تجارتی ادارہ کسی ملکی یا غیر ملکی دوکاندار یا صنعت کار سے اپنی مطلوبہ شے خریدنے کے لیے بنک سے قرض طلب کرتا ہے جس کی شکل یوں بنائی جاتی ہے کہ بنک قرض دینے کے لیے ایک معاہدہ کرتا ہے جس کے تحت اس شے کی ملکیت (رجسٹری وغیرہ کے ذریعے) بنک کے نام کر دی جاتی ہے اور وہی شے اضافی طے شدہ قیمت پر جس میں اخراجات کے علاوہ بنک کا منافع بھی شامل ہوتا ہے ادارہ مذکورہ ایک مقررہ وقت کی شرط پر بنک سے اُدھار خرید لیتا ہے۔

اس سودے کی قیمت تاخیر سے ادا کرنے کی وجہ سے بیع مؤجل کہتے ہیں اور شے کی قیمتِ خرید کے علاوہ معلوم منافع کی بنا پر اسے بیع مرابحہ کا نام دیا جاتا ہے...... یہاں مقصد واضح ہے کہ وہ بنک سے قرض لینا ہے تاہم سودے کی حقیقت واضح کرنے کے لیے چند اُمور کی تنقیح (وضاحت) کرتا ہوں:

(الف) بنک بظاہر شے کا مالک ہوتا ہے لیکن وہ اسے مخصوص تجارتی ادارہ کے علاوہ کسی کو فروخت نہیں کر سکتا۔

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

(ب) شے میں اس مدت کے دوران نقص واقع ہو یا ضائع ہو جائے تو وہ بنک (مالک) کے بجائے تجارتی ادارہ کا نقصان ہوگا۔

(ج) شے اگر مشینری وغیرہ ہو تو اس کی تنصیب وغیرہ میں صرف شدہ مدت کا ذمہ دار بینک نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی دوسرا عذر، تاخیر بنک کو قیمت کی ادائیگی میں مہلت کے لیے قابل سماعت ہو سکتا ہے۔

(د) بنک کی ملکیت نام کی حد تک تو ہوتی ہے لیکن مذکورہ بالا تمام شرائط بنک کی بجائے تجارتی ادارہ کے قبضہ کے علاوہ اس کی ملکیت واضح کرتی ہیں۔

(ہ) اگر طے شدہ مدت کے مطابق تجارتی ادارہ بنک کو ادھار پر اضافی قیمت ادا نہیں کر سکتا تو قیمت ایک خاص شرح سے برابر بڑھتی رہتی ہے جسے تاوان کہئے یا جرمانہ، حقیقتاً وہ قرض پر مشروط اضافہ ہی ہوتا ہے۔

میں نے ابتدا میں جو سود سے متعلقہ قرآنی آیات دی ہیں ان میں سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۴ کے ایک جملہ کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو یہ ہے:

﴿وَإِنْ تُبْدُوا مَافِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾

"اگر تم اپنے نفس کی اندرونی بات ظاہر کر دیا چھپالو اللہ تو اس کا ضرور محاسبہ کرے گا"

یہ الفاظ بتا رہے ہیں کہ نفس میں پوشیدہ یا ظاہر تمام اعمال کا محاسبہ ہوگا۔ اسی قرآنی ہدایت کے تحت فقہاء نے یہ ضابطہ (Legal Maxim) طے کیا ہے: العبرة في العقود للمقاصد والمعاني

"معاہدوں (سودوں) میں اعتبار مقاصد اور مفاہیم کا ہوتا ہے" (مجلہ الاحکام العدلیہ مادہ ۳)

حیلہ صحیحہ اور حیلہ باطلہ کے درمیان فرق بھی یہی ہے کہ اگر ہیرا پھیری سے غلط مقصد حاصل کرنے کی تدبیر کی جائے تو وہ حیلہ باطلہ ہوتا ہے۔ (جامع الاصول: ص ۴۳۸ تا ۴۴۱)

اسلام نے صرف صریح سود سے منع نہیں کیا بلکہ وہ تمام دروازے بھی بند کر دیئے ہیں جن سے گزر کر سودی معاملات میں ملوث ہوا جاتا ہے چنانچہ ایسے اقدامات رسول کریم ﷺ کے درج ذیل ارشادات میں پائے جاتے ہیں:

(الف) نهى رسول الله ﷺ عن بيعتين فى بيعة (بلوغ المرام، حدیث ۶۶۶)

"رسول کریم ﷺ نے ایک سودے کے اندر دو سودے جمع کرنے سے منع فرمایا"

دیکھئے کہ ایک شے کے کاروبار میں دو دفعہ سودے کرنے میں یہی خطرہ ہے کہ دوسرے سودے

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سودے میں قیمت کا اضافہ کیا جا سکتا ہے، اسی لیے شریعت نے کسی شے کے ایک ہی دفعہ

ہے خواہ وہ سودا نقد ہو یا اُدھار۔

واضح رہے کہ اگر نقد یا اُدھار، کوئی ایک صورت متعین کر کے کسی بھی قیمت پر سودا کر لیا جائے

تو وہ جمہور علماء کے نزدیک جائز ہے۔

(ب) قال رسول الله ﷺ: الخراج بالضمان (ایضاً، ص۲۸۶، ۲۸۷)

"فائدہ ذمہ داری کی بنا پر ہی ہوتا ہے"

فقہاء نے اسی حدیث سے یہ فقہی ضابطہ نکالا ہے:

الغرم بالغنم "چٹی، فائدہ اٹھانے کی بنا پر ہی عائد ہوتی ہے"

(ج) عن زيد بن ثابتؓ فإن رسول الله ﷺ نهى أن تُباع السلع حيث تبتاع حتى يحوزها التّجار إلى رحالهم (ایضاً، ص۲۸۰ حدیث۶۶۹)

"زید بن ثابتؓ صحابی نے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد سنایا کہ تجار، تجارتی سامان کو خرید والی جگہ پر فروخت کرنے کے بجائے اپنے ڈیروں پر قبضہ مکمل کر کے فروخت کریں"

اسی طرح نبی ﷺ کی ہدایت کتب حدیث میں متنوع الفاظ سے وارد ہے جن کا مفہوم یہ ہے کہ قبضہ مکمل کیے بغیر اشیاء فروخت نہ کی جائیں۔

مذکورہ بالا ارشادات نبویؐ اور فقہی ضابطوں کو سامنے رکھ کر اندازہ کر لیجیے کہ نام نہاد بیع مؤجل یا مرابحہ کس طرح حلال ہو سکتی ہیں؟

پٹہ داری (Leasing)

سادہ تعریف تو کرایہ داری ہے جسے اسلام نے ہماری ضرورت کی بنا پر جائز قرار دیا ہے لیکن آجکل بنک یا اِجارہ دار کمپنیاں کسی شخص یا تجارتی ادارہ کو یوں قرض بھی مہیا کرتی ہیں کہ مطلوبہ شے ایسے اِجارہ دار (بنک یا کمپنی) کے نام خرید کی جاتی ہے پھر وہ اجارہ دار اسے متعین کرایہ طے کر کے جو تقریباً شرحِ سود کے برابر ہوتا ہے ضرورت مند شخص یا ادارے کو کرایہ پر دے دیتا ہے اور عموماً معاہدہ میں یہ شرط ہوتی ہے کہ کرایہ دار ہی ایک متعین مدت کے بعد طے شدہ قیمت پر خرید لے گا۔

یہ شرط ہم نے علامت کے طور پر لکھ دی ہے لیکن ضروری نہیں کہ یہ شرط علامت ہو، بسا اوقات جب وہ شے اس نوعیت کی ہو کہ کرایہ دار کا مستقل کاروبار اس سے وابستہ نہ ہو تو ایسی شرط نہیں رکھی جاتی تاہم یہ بات مفہوم (Understood) ہوتی ہے کہ کرایہ کے علاوہ اس شے کی پوری

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قیمت اجارہ دار وصول کرلے گا۔

بہر حال کچھ علامتی نکات مسئلہ کی تنقیح کے لیے پیش ہیں:

(الف) کرایہ داری (Leasing) قابل تنسیخ نہیں ہوتی۔

(ب) اگر سامانِ مشینری ہو اور اس کی تنصیب میں طویل مدت صرف ہو جائے تو کرایہ اس مدت کا بھی عائد ہوتا رہتا ہے۔

(ج) اگر مالک (بنک) عدالتی فیصلہ کی رو سے ملکیت کھودے تو کرایہ پھر بھی جاری رہتا ہے۔

(د) تجارتی ادارہ اگر ذیلی کرایہ داری (Sub Let) کرے تو بنک (مالک) کو اس سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔

(ہ) اگر تجارتی ادارہ سے یہ شرط طے ہو کہ وہی متعین مدت گزرنے کے بعد اس شے کا خریدار بھی ہوگا تو اسے مارکیٹ کے مطابق قیمت کی بجائے اسے پہلے سے طے شدہ قیمت ادا کرنا ہوتی ہے۔

نوٹ: ضروری نہیں کہ ہر پٹہ داری میں مذکورہ تمام علامتیں موجود ہوں لیکن مذکورہ علامتوں میں سے ہر علامت بتاتی ہے کہ بنک کی نام نہاد ملکیت صرف حیلہ کی غرض سے ہوتی ہے ورنہ اِجارہ دار (بنک) کا اصل مقصود قرض کا کرایہ (سود) ہوتا ہے حالانکہ اسلام کی رو سے کرنسی کرایہ پر دی جانے والی شے نہیں۔ البتہ اگر یہ علامتیں نہ پائی جائیں اور اجارہ دار کمپنیاں شے کی حفاظت کے طور پر کچھ شرطیں عائد کر کے کرایہ پر دیں اور بعد ازاں کرایہ دار کی خرید کی شرط بھی نہ ہو تو کرایہ داری کی اسلام میں اجازت ہے جو اس وقت زیر بحث نہیں اور بنکوں کے قیام کا تو یہ مقصد نہیں ہوتا۔

Participation Term Certeficate (PTC) قرض ہی کی ایک شکل ہے لیکن مضاربت مشارکت کی حد ایک متعین منافع (مثلاً ۱۵ فیصد) تک ہوتی ہے۔ اگر منافع اس سے زیادہ ہو تو قرض دار کا ہوتا ہے۔ اس طرح جتنا منافع بڑھتا جائے قرض دار کا ہوتا ہے۔ قرض خواہ کو صرف ۱۵ فیصد ہی ملتا ہے۔

بظاہر قرض کی یہ شکل ایک محدود حد (نفع و نقصان میں یکساں نسبت سے شرکت) تک جائز نظر آتی ہے لیکن چونکہ شراکت کا اسلامی اصول یہ ہے کہ شراکت میں نسبت غیر محدود حد تک فریقین کی یکساں ہونی چاہیے اس لیے یہ صورتِ قرض بھی جائز نہیں۔

اسلامی نظریاتی کونسل نے جو تجاویز اپنی رپورٹ ۱۹۸۰ء میں دی تھیں ان میں اگرچہ متبادل شکلوں میں حیلہ کی کچھ صورتوں کی اجازت دے کر پھر بعض شرائط لگا دیں تاکہ سودی دروازے نہ کھلیں

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لیکن جب اس نے ایسے حیلوں کے دروازے خود کھول دیئے تھے پھر مجوزہ صورتوں سے غلط فائدہ اٹھایا گیا اور عملاً سود کا نام بدل کر Mark up رکھ لیا گیا تو ۱۹۸۳ء کی رپورٹ میں یہ دروازے بند کرنے کی کوشش کی لیکن ایسا نہ ہو سکا۔

شرعی عدالت کو اسلامی نظریاتی کونسل کا یہ تجربہ سامنے رکھنا چاہیے کہ وہ حیلہ کے دروازے کھلے رکھنے کی بجائے رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کی روشنی میں وہ تمام ذرائع بند کرنے کی کوشش کرے جو سودی معاملات پر منتج ہو سکتے ہوں۔ کیونکہ اگر غیر سودی کاروبار کے ساتھ ساتھ Mark up کا مروّجہ سلسلہ بھی جاری رہا تو بعض انتظامی مشاکل اسلامی کاروبار کو ابتدا میں پیش آئیں گی کیونکہ باقی سارا نظام اقتصادیات تو سرمایہ دارانہ ہی ہے ان کی وجہ سے بلاسود بینکاری فروغ نہ پا سکے گی۔

(حافظ عبدالرحمن مدنی)

سپریم کورٹ کے ۱۰ سوالات کے جوابات......!

قارئین کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ سپریم کورٹ کے مقدمہ سود میں مرتب کردہ ۱۰ سوالات کے جوابات بڑی باریک بینی سے مدیر اعلیٰ محدث مولانا عبدالرحمن مدنی نے تفصیلاً تحریر فرمائے تھے۔ سماعت کے دوران انہی جوابات کو عدالت میں داخل کروایا گیا اور ان پر کئی روز بحث بھی جاری رہی جس سے مزید کئی نکات نکھر کر سامنے آئے اور عدالت نے مولانا کو انہیں بھی تحریری شکل میں پیش کرنے کی درخواست کی۔

ان صفحات پر مؤخر الذکر ۴۹ صفحات پر مشتمل تحریری بیان تو شائع ہو رہا ہے لیکن افسوس کہ مدیر اعلیٰ سود نمبر کی تیاری میں مصروفیت اور صحت کی خرابی کی بنا پر اس اوّلین بیان (عدالتی سوالات کے جوابات) پر نظر ثانی کر کے اسکو حتمی شکل نہیں دے پائے۔ محدث کے سود نمبر میں یہ بڑا خلا باقی رہے گا جسے محدث کی قریبی اشاعتوں میں عنقریب پر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ان شاء اللہ...... اہل علم حضرات مولانا مدنی کے طرزِ فکر اور موقف کی جھلکیاں شائع شدہ تفصیلی بیان سے بآسانی اخذ کر سکتے ہیں۔

ہم جناب حافظ صلاح الدین یوسف کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے ان سوالات کے جوابات تحریر فرما کر مذکورہ کمی کو پورا کرنے کی سعی کی ہے۔ حافظ صاحب کی علمی ثقاہت، مجتہدانہ بصیرت اور جدید مسائل پر صائب رائے کسی بیان کی محتاج نہیں، آپ کے جوابات کو من وعن شائع کیا جا رہا ہے (ادارہ)

محکمہ دلائل وبراہین سے مزین متنوع ومنفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ